انوارِ احمدی
تصنیف
علامہ محمد انوار اللہ حیدر آبادی
تلخیص وتسہیل
حضرت علامہ ارشد القادری
مکتبہ جام نور دہلی
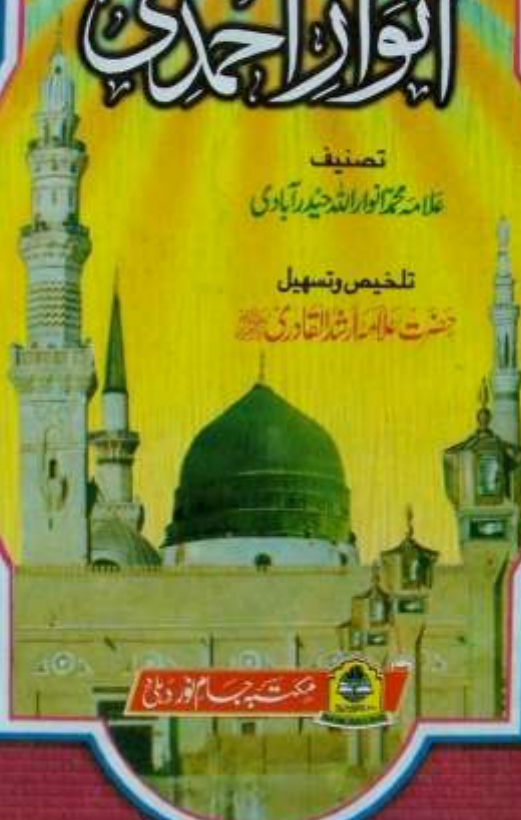
منصب رسالت کی عظمت وتکریم پر ایک نہایت اثر انگیز کتاب

انوارِ احمدی

تصنیف

شیخ الاسلام حضرت علامہ حافظ محمد انوار اللہ صاحب قادری چشتی

بانی جامعہ نظامیہ حیدر آباد واستاذ سلاطین دکن

تلخیص وتسہیل

رئیس التحریر علامہ ارشد القادری

ناشر

مکتبہ جامِ نور۔ نئی دہلی ۲-۱۱۰۰۰

نام کتاب ________ انوار احمدی
تصنیف ________ شیخ الاسلام حضرت علّامہ انوار اللہ صاحب
تلخیص و تبصرہ ________ حضرت علامہ ارشد القادری
پروف ریڈنگ ________ مولانا غلام عبد القادر فیضی
کتابت ________ عبداللہ خاں، دوکان سو بنّا رام پور
ناشر ________ مکتبہ جامِ نور۔ نئی دہلی ۲

فہرست مضامین

الحمد لولیہ ٥ والصلوٰۃ والسلام علی حبیبہ ونبیہ ٥
وعلیٰ آلہ وصحبہ ٥ ومحبیہ وحزبہ ٥ علیہم اجمعین

پیش لفظ

از :- رئیس التحریر حضرت علامہ ارشد القادری

حیدرآباد کا ایک مبارک سفر

آج سے تقریباً آٹھ نو سال پہلے مکہ مسجد حیدرآباد میں شہر کی مختلف تنظیموں کی طرف سے ایک پنج روزہ تبلیغی پروگرام رکھا گیا تھا۔ جس میں ملک کے مختلف مشاہیر علمائے اہل سنّت کے ساتھ دو دن کے لئے میں بھی مدعو تھا۔ اجلاس میں عاشقان رسول کا بے پناہ اژدہام اور ان کا مذہبی جوش و خروش دیکھ کر میری مسرتوں کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ تقریروں کے دوران مجمع میں جذبات کے تلاطم کا عجیب عالم تھا۔ اُس دن میں نے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھا کہ سرکار کونین کے ذکر جمیل سے سوکھی ہوئی رگوں میں کس طرح زندگی کی لہر دوڑتی ہے۔ اور تپتے ہوئے الفاظ کی ضرب سے کس طرح غفلتوں کا نشہ اترتا ہے۔ کتنی ہی آنکھیں فرطِ محبّت سے اشکبار تھیں اور کتنے ہی قلوب جذبۂ شوق میں مچل رہے تھے۔ اسی عالم خود فراموشی میں اہلِ محبّت نے پانچ راتیں گزار دیں۔ دلوں کا حال تو اللہ جانتا ہے لیکن گھر لوٹنے والوں کی پیشانیوں سے امید کی جو کرن پھوٹ رہی تھی اس سے دلوں کی کیفیت کا کچھ نہ کچھ سراغ ضرور لگتا تھا۔

اجلاس سے فراغت کے بعد کئی دن حیدرآباد میں قیام کرنے کا موقعہ ملا۔ انہی ایام میں جنوبی ہند کی مشہور درس گاہ جامعہ نظامیہ کے اساتذہ کی دعوت پر اس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

جامعہ کی پرشکوہ عمارتیں اس کا حسن انتظام دیکھ کر بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی۔ ایک بلند پایہ تعلیمی مرکز کو جن خوبیوں سے آراستہ ہونا چاہیئے وہ ساری خوبیاں دامن کو کھینچتی تھیں کہ ہمیں دیکھو۔ جامعہ نظامیہ اپنے عظیم المرتبت بانی شیخ الاسلام مولانا حافظ شاہ انوار اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کی نسبت سے ایک باوقار دار العلوم اور ایک عظیم مرکز علم وفن کی حیثیت سے سارے اقطار ہند میں جانا پہچانا جاتا ہے۔ جامعہ میں حاضری کے موقعہ پر وہاں کے اساتذہ نے ازراہ علمی قدردانی حضرت شیخ الاسلام کی چند گرانقدر تصنیفات بھی مجھے عنایت فرمائیں۔ جن میں مقاصد الاسلام اور انوار احمدی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

انوار احمدی کا مطالعہ کر کے میں حضرت فاضل مصنف کے تبحر علمی، وسعت مطالعہ، ذہنی استحضار، قوت تحقیق، ذہانت ونکتہ رسی، اور بالخصوص ان کے جذبۂ حُب رسول اور حمایت مذہب اہل سنّت کی قابل قدر خصوصیات سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

کتاب کی خصوصیات

یہ گراں قدر کتاب فضائل رسول اور اختلافی مسائل پر اس درجہ اطمینان بخش معلومات فراہم کرتی ہے کہ اسے ایک بار پڑھ لینے کے بعد کوئی بھی انصاف پسند آدمی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کوئی بات بھی بغیر دلیل کے نہیں کہی گئی ہے۔ خاص طور پر آیات واحادیث اور بیان کردہ واقعات کے ذیل میں مصنّف نے تبصرہ کے طور پر جو نتائج سپرد قلم فرمائے ہیں وہ بالکل نشتر کی طرح دلوں میں چبھ جاتے ہیں اور ان میں اتنی معقولیت ہوتی ہے کہ دل کے انکار کے باوجود دماغ کو ایمان لانا پڑتا ہے۔

حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی کی تقریظ

اس کتاب کی ایک خصوصیت اور بھی ہے جو ساری خصوصیات پر حاوی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس کتاب کی سطر سطر

اور حرف حرف کی تصدیق فرمائی ہے جو اردو اور عربی زبان میں کتاب کے شروع میں درج ہے۔
حضرت مہاجر مکیؒ نے اختلافی مسائل پر اس کتاب کے جملہ مشتملات کی تصدیق کر کے
ان لوگوں کے لئے قبول حق کا کام آسان کر دیا ہے جو انھیں اپنے بزرگوں کا بھی بزرگ
مانتے ہیں۔ اس کتاب پر حضرت موصوف کی تقریظ اردو میں بھی ہے اور عربی میں بھی۔
اردو کی تقریظ کا یہ حصہ خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

> ان دنوں ایک عجیب و غریب کتاب لاجواب مسمیٰ بانوار احمدی
> مصنفہ حضرت علامۂ زماں و فرید دوراں، عالم باعمل و فاضل بے بدل
> جامع علوم ظاہری و باطنی عارف باللہ مولوی محمد انوار اللہ حنفی و چشتی
> سلمہ اللہ تعالیٰ فقیر کی نظر سے گزری۔ اور بلسان حق ترجمان مصنف
> علامہ اوّل سے آخر تک سنی۔
> اس کتاب کے ہر ہر مسئلے کی تحقیق محققانہ میں تائید ربانی پائی
> گئی کہ اس کا ایک ایک جملہ اور فقرہ امداد مذہب اور مشرب اہل حق
> کی کر رہا ہے اور حق کی طرف بلاتا ہے۔ (انوار احمدی صکا)

اس تقریظ میں "تحقیق محققانہ"، "تائید ربانی"، "امداد مذہب اہل حق" اور
"دعوت حق" کے گرانقدر الفاظ خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہیں کہ یہ ایک "مرشد
روشن ضمیر" کے الہامی کلمات ہیں۔ عربی زبان میں رقم کردہ تقریظ اگرچہ بہت مختصر ہے
لیکن بیحد جامع اور ناقابل انکار حقائق پر مشتمل ہے۔ مصنف کی زبان سے کتاب کی
سماعت کے بعد اپنے قلبی تاثرات کا اظہار ان لفظوں میں فرماتے ہیں۔

وَجَدْتُهُ مُوَافِقًا لِلسُّنَّةِ	میں نے اس کتاب کو سنت کریمہ کے
السَّنِيَّةِ فَسَمَّيْتُهُ بِالْاَنْوَارِ	مطابق پایا اس لئے میں نے اس کتاب
الْاَحْمَدِيَّةِ وَ اِنَّمَا هٰذَا مَذْهَبِي	کا نام انوار احمدی رکھا اور یہی میرا مذہب
وعليه مدار مَشْرَبِي يَقْبَلُهُ	ہے اور اسی کے مشتملات پر ہی
رَبُّ المقبولين وجعله	میرے مسلک و مشرب کا مدار ہے۔

ذُخِیْرَۃٌ لِیَوْمِ الدِّیْن۔ (انوارِ احمدی ص)	مقبول بندوں کا پروردگار اسے قبول فرمائے اور اسے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اس تقریظ میں بھی موافقِ سنّت میرا مذہب، میرے مشرب کا مدار، اور "ذخیرۂ آخرت"، کے الفاظ خاص طور پر توجہ سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

اب اپنے قارئین کرام کے سامنے کتاب سے چند ایسے اقتباسات پیش کرنا چاہتا ہوں جن کی حقانیت پر شیخ المشائخ حضرت مہاجر مکی نے اپنی مہر توثیق ثبت فرمائی ہے اور جنھیں اپنا مذہب، اپنے مشرب کا مدار، اور امداد مذہب اہل حق، قرار دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام ان اقتباسات کو کلمات تقریظ کی روشنی میں پڑھیں گے اور اپنی آنکھوں سے عصبیت کی وہ ساری عینکیں اتار دیں گے جنھوں نے تلاشِ حق کے مسافروں کو ہمیشہ گمراہ کیا ہے۔

اقتباسات

پہلا اقتباس

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کے انکار میں تحذیر الناس کی فلسفیانہ بحث کی مذمت کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا اُن صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (یعنی ہر نئی چیز گمراہی ہے) پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے کیا اس قسم کی بحثِ فلسفی بھی کہیں قرآن وحدیث میں وارد ہے؟ یا قرون ثلاثہ میں کسی نے کی تھی؟

پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا۔

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی بُرا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ (رواہ مسلم)

(انوار احمدی ص: ۵)

دوسرا اقتباس

اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اس مقام پر غیظ میں ڈوبے ہوئے قلم کا ذرا چبھتا ہوا طنز ملاحظہ فرمائیے۔ تحذیر الناس کے مصنف کا تعاقب کرتے ہوئے ارشاد فرتے ہیں:

> بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے نکالے گئے۔
>
> یہ تو بتائیے! کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلّم ہونا مطلقًا ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرمارہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دینِ اسلام میں نہ ملا تو فلاسفۂ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دودم (دودھاری تلوار) اُن سے لے کر میدان میں آکھڑے ہوگئے۔ (انوار احمدی ص۵)

تیسرا اقتباس

غیرت محبت کا تقاضا ابھی پورا نہیں ہوا۔ عقیدۂ ختم نبوت پر ڈالا ہوا گرد وغبار جب تک بالکل صاف نہ ہوجائے دل کو اطمینان کیونکر حاصل ہوسکتا ہے۔ بحث کا طویل سلسلہ ختم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیسی متغیر ہوگئی کہ چہرۂ مبارک سے آثار غضب پیدا تھے۔ اور باوجود خُلقِ عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے، حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں! حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا ۝	جو لوگ ایذا دیتے اللہ اور اس کے رسول کو لعنت کرتا ہے اللہ ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب!
(انوار احمدی صـ ۵۲)	

چوتھا اقتباس

صلوٰۃ و سلام کی بحث میں حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے ان لوگوں پر سخت تنقید کی ہے جو ہند و پاک میں قیام و سلام کے منکرین و مخالفین کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ ایک مقام پر حضرت مصنف انھیں متنبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا "صلوٰۃ" بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہئے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔ (انوار احمدی صلا)

پانچواں اقتباس

جو لوگ منصب رسالت کی نا قدری کرتے ہوئے تعظیم و احترام کی بجا آوری سے گریز اور انکار کرتے ہیں ان کے خلاف اتمام حجت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ اس عبارت میں غیرت حق کا تیور خاص طور پر محسوس کرنے کے قابل ہے۔

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔

اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے اور اس سے یہ بات بھی

ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو صرف دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض و سما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔ (انوار احمدی ص۱۰۱)

چھٹا اقتباس

اس موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے:

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں (صلوٰۃ وسلام کی شکل میں) ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں کہ اگر حضور کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں قباحت لازم آجائے گی۔ نعوذ باللہ من ذالک (انوار احمدی ص۱۰۱)

ساتواں اقتباس

اس موضوع پر حضرت مصنف کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیں:

صرف ایک یا دوبار درود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہوجائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خلاف مرضی حق تعالیٰ بھی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک (انوار احمدی ص۱۳۹)

آٹھواں اقتباس

سلام کی بحث میں حضرت مصنف کی یہ عبارت بھی ان لوگوں کی پشت پر ایک تازیانہ ہے جو نماز میں حضور کی طرف خیال لے جانے کو شرک کہتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل ہر مسلمان کو چاہیئے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ شارع کی طرف سے اس کا امر ہو گیا تو اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون وچرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔
اب یہ بات بھی محسوس کرنی چاہیئے کہ جب سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادت محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیئے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ (انوار احمدی ص۱۶۵)

نواں اقتباس

قرآن عظیم کی وہ آیت کریمہ جس میں نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی سخت ممانعت آئی ہے اور ایسے لوگوں کے خلاف حبط اعمال کی لرزہ خیز سزا سنائی گئی ہے اس کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ہر عاقل کو چاہیئے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔
یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو

اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرت الٰہی تھا کہ اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

اسی وجہ سے صحابۂ کرام ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم فانی سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت یا کبریائی میں فرق آگیا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الٰہی میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسا صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (انوار احمدی ص۳۰۶)

دسواں اقتباس

یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا کہا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انھیں دیکھ کر صحابۂ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنَا کا لفظ گالی کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ اب تم رَاعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی اس لفظ کا استعمال ہی ترک کردو جس میں توہین کا

بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انھوں نے اعلان کر دیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن مار دو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

ہر چند صحابۂ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشائستہ جن میں صراحۃً حضور کی کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔

صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔

بالفرض اگر کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ حکم عام تھا بیشک اس کی گردن ماردی جاتی اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری مراد کیا تھی۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحۃً ہو یا کنایۃً، کس درجہ قبیح ہوگا۔

(انوار احمدی ص ۱۱۲)

گیارہواں اقتباس

اسی موضوع پر حضرت فاضل مصنف کی یہ درد انگیز عبارت پڑھئے :

اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا، کوئی اس قسم کے الفاظ استعمال کرتا تو اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لئے تاویلات بار دہ کچھ مفید ہوسکتیں؟ ہرگز نہیں !
مگر اب سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اُس زمانے کو یاد کرکے اپنی بے بسی پر رو یا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے شرق وغرب میں گاڑ دئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔ میدان خالی پاکر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرأت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دیدہ دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابلِ سزا تھیں، اُنہی پر ایمان کی بنا قائم کی جارہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا۔؟ (انوار احمدی ص۲۱۳)

بارہواں اقتباس

ایک آیت کریمہ کا شانِ نزول بتاتے ہوئے حضرت فاضل مصنّف تحریر فرماتے ہیں :

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔
شاید بعض لوگ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید

اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے۔ مگر یقین ہے کہ جب
ان آیات میں غور وتامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی
کہ قرآن شریف علاوہ احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت
اور آداب سے بھی بندوں کو روشناس کراتا ہے۔
جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ گرانی خاطر کا لحاظ
حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسر شان کی ہیں کس قدر
غیرتِ الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (انوار احمدی صـ۲۱۶)

تیرھواں اقتباس

کنز العمال کے حوالہ سے حضرت فاضل مصنف نے ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ایک دیہاتی نے آپ سے دریافت کیا
کہ کیا آپ خلیفۂ رسول اللہ نہیں ؟ جواب ارشاد فرمایا کہ میں خلیفہ نہیں بلکہ خالفہ ہوں۔
خالفہ گھر کے اس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں
اس لئے ازراہِ ادب انھوں نے اپنے آپ کو اس لفظ کے مصداق نہیں سمجھا۔ اس لفظ کو
ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے
نہیں گیا۔
اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں :

جب حضرت ابوبکر جیسے مسلم الثبوت خلیفۂ راشد اپنے آپ کو حضور
کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کون سا لفظ
استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔
معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے ؟ اگر اپنے آپ
کو حضور سے ملانا اور اپنی فضیلت ظاہر کرنا مقصود ہے تو حضور کی وہ
خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو بھی نصیب نہیں ہوئیں ان کے اندر

کہاں سے پیدا ہو جائیں گی۔ اور اگر اپنے برابر کر کے حضور کی شان کا تنزل اور گرانا مقصود ہے تو ان لوگوں پر اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی کوئی راہ نہیں ہے۔" (انوار احمدی ص۲۳۴)

چودھواں اقتباس

حضرت امام طبرانی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی حضرت اسلع ابن شریک فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف فرما ہوتے تھے۔ ایک رات مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی درمیان حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں سخت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں؟ سخت سردی کی وجہ سے ٹھنڈے پانی سے غسل بھی نہیں کر سکتا تھا اور دوسری طرف طبیعت کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا اور انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ تھا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا جس سے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیئے تھے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ نہ عموماً وہاں اس قسم کے امور کی تعلیم تھی اور نہ صراحتہً ترغیب و تحریض۔ اگر کوئی شخص اپنے متعلق ایمانِ حقیقی کا دعویٰ کر کے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو

مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کریگا۔
بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی
میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔ الحاصل جب ان
لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ بزرگان دین کا جس قدر
ادب کیا جائے محمود ہے۔

اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ خیر القرون کے بعد لوگوں
کو اُن حضرات کے مسلک سے کس قدر دور کر دیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا
جائے تو معلوم ہوگا کہ معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ہے حالانکہ اس طرح کے
امور کی تعلیم عموماً انھیں نہ تھی مگر ان کے دل اتنے ہی مہذب اور مؤدب
تھے کہ قسم قسم کے آداب اور طرح طرح کے حسن عقیدت پر دلالت کرنے
والے افعال خود ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر ان کو منطبق کر لیتے
تھے جن کا سمجھنا بھی اس زمانے میں شاید بآسانی نہ ہوسکے۔ کیوں نہ ہو کہ
ان حضرات کے وہ دل تھے جن کو تمام بندوں کے دلوں پر فضیلت ہونے
کی وجہ سے حق تعالیٰ نے صحابیت کے واسطے منتخب فرمایا۔

(انوار احمدی صـ ۲۴۵)

پندرھواں اقتباس

فاضل مصنف نے حضرت قاضی عیاض کی شفا شریف کے حوالہ سے حضرت ابوایوب
سختیانی کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت امام مالک نے بیان کیا کہ حضرت ابوایوب
سختیانی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا عشق تھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے
تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر
میں نے ان کی شاگردی قبول کرلی۔

اس واقعہ کے ضمن میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اب ذرا امام سختیانی کے دل کی یہ کیفیت ملاحظہ فرمائیے

کہ کس درجہ عظمت و محبت ان کے دل پر چھائی ہوئی تھی جس سے
وہ حالت پیدا ہو جاتی تھی جو ادب سے بڑھی ہوئی ہے۔ یہ اثر اسی
ذکر مبارک کا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں علیٰ حسب مراتب ایمان کو
تازہ کرتا ہے۔
سبحان اللہ وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہوئی کہ
بڑے بڑے فاضل معاصرین سے انھیں افضل بنا دیا اور یہاں ہنوز
اس کے جواز و عدم جواز ہی میں اختلاف پڑا ہوا ہے۔ بلکہ وہ تدبیریں نکالی
جاتی ہیں کہ کہیں ذکر شریف کی مجلس ہی نہ ہونے پائے بھلا سوچئے تو سہی
کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتیں مسلمانوں میں پھیلتی
رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے۔ (انوار احمدی ص۲۴۷)

سولھواں اقتباس

تعظیم و ادب سے متعلق حضرت فاضل مصنف کے دو اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں۔
ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں :

وہ (صحابۂ کرام) ہر قسم کے آداب خود ایجاد کرتے تھے اور ان پر
کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بنیاد بے ادبی
کی نہیں پڑی تھی۔ اور اگر چند خود سروں نے بنیاد ڈالی بھی تھی تو ان کی
بد اعتقادیوں نے انھیں مومنین مخلصین کے دائرہ سے خارج کر دیا تھا
اور دوسرے نام کے ساتھ انھیں مشتہر کر دیا تھا۔ اس لئے کوئی ان کی
باتوں پر کان نہیں دھرتا تھا۔
اور اس آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ باوجودیکہ اُن حضرات نے
جن کی پیروی ہمارے لئے ضروری ہے، قسم قسم کے آداب کی ہمیں تعلیم
دی، اب اگر ان کی پیروی میں آج کسی سے اس قسم کے افعال صادر
ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراض کی بوچھار ہونے لگتی ہے۔ اور صرف

اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچادی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔ (انوار احمدی ص۲۴)

سترھواں اقتباس

حضرت فاضل مصنف کا یہ آخری اقتباس ہوش و گوش کے ساتھ پڑھئے۔ موصوف تقبیل ابہامین یعنی حضور کا نام پاک سُن کر انگوٹھا چومنے اور آنکھوں سے لگانے کا جواز ثابت کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

الحاصل دین میں ادب کی نہایت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا اس کی دینداری میں کچھ نہ کچھ خرابی ضرور ہوگی۔

سبب اس کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں گستاخانہ انداز سے أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کہا اور ابد الآباد کے لئے مردود بارگاہ کبریائی ٹھہرا اُسی وقت سے آدمیوں کی عداوت اس کے دل میں جمی اور ان کی خرابی کے درپے ہوا اور اس کے لئے مختلف قسم کی تدابیر اس نے سوچیں مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں نہایت زبردست اثر رکھتی ہے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام کے بارے میں إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم اس نے شروع کردی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہا کئے۔ (انوار احمدی ص۲۴۵)

اقتباسات کے ذیل میں قابلِ غور نکتے

یہ سارے اقتباسات کتاب سے منتخب کرکے میں نے اس لئے یہاں جمع کئے ہیں تاکہ جو لوگ شیخ المشائخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کو اپنے بزرگوں کا مقتدائے اعظم جانتے ہیں وہ ان اقتباسات کی روشنی میں ان کے مسلک ومشرب کا اندازہ لگائیں اور ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کرسکیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تکریم اور ایمان و عقیدت کا صحیح تقاضا کیا ہے اور ہند و پاک میں کونسا طبقہ ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور کون اسے شرک وبدعت قرار دیتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس مقام پر محسوس کرنے کی چیز یہ ہے کہ ان اقتباسات میں جنوبی ہند کے ایک مقتدر پیشوا نے منصبِ رسالت کے حقوق و آداب پر اپنے جن افکار و عقائد کا برملا اظہار کیا ہے اور جن کی حقانیت پر علمائے دیوبند کے مرشدِ برحق نے اپنی مہرِ توثیق ثبت فرمائی ہے وہ شمالی ہند کے اعلیٰ حضرت کی آواز سے بالکل ہم آہنگ ہے یا نہیں؟

پھر حق و انصاف کا یہ کتنا بڑا خون ہے کہ بریلی کے اعلیٰ حضرت کو تو بدعت و غلو کے الزام سے مطعون کیا جائے اور وہی بات مرشدِ برحق فرمائیں تو نہ ان پر غلو کا الزام عائد کیا جائے اور نہ انھیں بدعتی ٹھہرایا جائے۔

اس کتاب کے فاضل مصنف نے بھی اپنی کتاب میں جگہ جگہ ان ایذا رسانیوں اور زیادتیوں کا ذکر کیا ہے جو خوش عقیدہ مسلمانوں کے ساتھ کی جاتی ہیں۔ کبھی انھیں مشرک کہا جاتا ہے، کبھی ان پر بدعتی ہونے کا الزام عائد کیا جاتا ہے اور کبھی انھیں اندھی عقیدت میں گمرہی کا طعنہ دیا جاتا ہے۔ یہ ساری گالیاں انھیں صرف اس لئے دی جاتی ہیں کہ وہ بارگاہِ رسالت میں اپنے اعتقاد اور کردار و گفتار کے ساتھ مؤدب رہنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے قول و عمل سے حبِ رسول، کا وہ تقاضا پورا کرتے ہیں جو ائمہ دین اور اکابرِ امت سے انھیں ورثے میں ملا ہے۔

پچھلے اوراق میں کتاب کے جو اقتباسات نقل کئے گئے ہیں آپ انھیں غور سے

پڑھے۔ ان میں تعظیم وادب کے جو وظائف ومظاہر ذکر کئے گئے ہیں اور شیخ المشائخ نے اپنی تقریظات میں جنھیں اپنا مذہب اور اپنے مشرب کا مدار قرار دیا ہے، اگر فی الواقع وہ بدعات سیئہ کے قبیل سے ہیں تو سوال اٹھتا ہے کہ جو لوگ شیخ المشائخ کو اپنے بزرگوں کا مرشد برحق سمجھتے ہیں، کیا وہ ان پر بھی بدعتی ہونے کا الزام عائد کر سکتے ہیں؟ میں یقین کرتا ہوں کہ وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کریں گے۔ کیونکہ اس کے بعد ہی یہ سوال ان کے سروں پر لٹکتی ہوئی تلوار بن جائے گا کہ کتاب وسنت کی رو سے کیا ایک بدعتی مرشد طریقت بنائے جانے کا اہل ہے۔

پھر یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جس بات پر یہاں سب کی زبانیں بند ہیں اسی بات پر برصغیر کے اہلِ سنت کو لائق گردن زدنی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ہم اپنی مظلومی کی فریاد اسی کی بارگاہ میں کرتے ہیں جو سب پر غالب اور سب کا یاور ہے۔

إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّيْ وَحُزْنِيْ إِلَى اللّٰه۔

کتاب کے بارے میں چند معروضات

اقتباسات کے پس منظر میں جس اہم ترین نکتے کی طرف مجھے اس کتاب کے قارئین کی توجہ مبذول کرانی تھی میں اس فرض سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میں اس کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ کتاب اپنے فکر انگیز مضامین، اپنے ایمان افروز مواد اور حقائق کے اظہار میں اپنے جرأتمندانہ کردار کے لحاظ سے قطعاً اس لائق تھی کہ ہر مسلمان اس کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتا اور عشق وایمان کی حرارت سے اپنے دل کے احساسات کو گرم رکھنے کے لئے اسے حرز جاں بناتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ اور سخت افسوس ہوا کہ ان ساری خوبیوں کے باوجود اس کتاب کو وہ ہمہ گیر شہرت حاصل نہیں ہو سکی جس کی بجا طور پر وہ مستحق تھی۔

اس کی چند وجوہات میری نظر میں یہ ہیں:

(۱) سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو عوام تک پہنچانے کے لئے حضرت فاضل مصنف کے معتقدین وتلامذہ کو جو اہتمام کرنا چاہیے تھا انھوں نے

کما حقہ، نہیں کیا۔ خصوصیت کے ساتھ جامعہ نظامیہ کے منتظمین اور وہاں کے اساتذہ کی ذمہ داری تھی کہ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق کتاب کو نئی ترتیب و تہذیب کے ساتھ آراستہ کرکے دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ ملک گیر پیمانے پر اس کی اشاعت کا اہتمام کرتے۔ تاکہ جنوبی ہند کی ایک عبقری شخصیت کے علمی نوادرات سے برصغیر کی دُنیا پوری طرح روشناس ہوجاتی۔ پھر بھی ان کی مساعی سے نشر و اشاعت کا جس حد تک بھی کام ہوا وہ بہرحال قابلِ تحسین ہے۔ لیکن منصوبہ بندی کے ساتھ کام کیا جاتا تو نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف چونکہ اپنے عہد کے استاذ بے بدل، اور یکتائے روزگار ماہرِ علوم و فنون تھے اس لئے ان کی تحریر میں خالص علمی زبان کا رنگ غالب ہے۔ زبان کے رخ سے کتاب کی سطح اتنی اونچی ہوگئی کہ کم علم عوام کے درمیان وہ اچھی طرح رائج نہیں ہوسکی۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ ۱۳۰۵ھ ہجری میں جب فاضل مصنف نے تیسری بار حجاز مقدس کا سفر کیا تو تین سال تک انھیں مدینہ منورہ میں سکونت پذیر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی موقعہ پر اس کتاب کی تصنیف عمل میں آئی۔ جیسا کہ حضرت کی اس سوانح سے پتہ چلتا ہے جو کتاب کے اخیر میں منسلک ہے۔

اس بنیاد پر آج اس کتاب کی تصنیف کو سو برس سے زائد ہوگئے۔ سو برس پہلے کی اردو زبان چونکہ بالیدگی اور بلوغ کے مراحل سے نہیں گزر سکی تھی اس لئے اس وقت کی تحریر افہام و تفہیم کے اعتبار سے جس اغلاق و تنگ دامنی کی حامل ہوسکتی ہے وہ ساری باتیں اس کتاب کے اندر موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب زبان کی پیچیدگی کی وجہ سے عبارت کا مفہوم ہی سمجھ میں نہ آئے تو کسی تصنیف میں حقائق و معارف کے ہزار جواہرات بکھرے ہوئے ہوں کم استعداد اور سطحی ذہن رکھنے والوں کو اس کا کیا پتہ!

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ ترتیب کے لحاظ سے بھی کتاب میں ابواب و فصول اور الگ الگ مباحث کی پورے طور پر نشاندہی نہیں ہے۔ علاوہ ازیں پوری کتاب میں ذیلی عنوانات کے بغیر بحث در بحث کا طویل سلسلہ اخیر تک پھیلا ہوا ہے۔ پھر مزید براں مصنف کی عادت کریمہ یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر تشنہ نہیں چھوڑتے۔ اور

دلیل پیش کرنے میں بھی التزام یہ ہے کہ کتابوں سے اصل عربی عبارتیں صفحے کے صفحے اپنے مدعا کے اثبات میں نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح ایک بحث مکمل نہیں ہونے پاتی کہ کسی دعوے کے ذیل میں دوسری بحث شروع ہو جاتی ہے۔

ان خصوصیات کی وجہ سے کتاب کی علمی سطح اتنی اونچی ہوگئی ہے کہ عوام کے فہم کی رسائی وہاں تک نہیں ہو سکی۔

ان ساری وجوہات کے باوجود کتاب کی علمی اور دینی افادیت اپنی جگہ پر ہے۔ اور سچ پوچھئے تو اسی افادیت کی کشش نے میرے اندر اس جذبۂ شوق کی تحریک پیدا کی کہ میں اس کتاب کے حقائق و معارف اور اس کے مفاہیم و معانی کو آج کی زبان میں منتقل کروں۔ اور اس کے پھیلے ہوئے مباحث کو سمیٹ کر اتنا مختصر اور سہل کر دوں کہ عامۃ المسلمین بھی اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں۔

اسی طرح جنوبی ہند کے افق سے چمکنے والی روشنی شرق و غرب کے آفاق پر سپیدۂ سحر بن کر نمودار ہو۔ اور شمال و جنوب کے علمائے اہلِ سنّت کے درمیان اجنبیت کی وہ دیوار ٹوٹ کر گر جائے جو ایک عرصۂ دراز سے حائل ہے اور مسلک حق کی حمایت میں جنوبی ہند کی ایک بے مثال علمی شخصیت کے مجاہدانہ کردار سے ہند و پاک کی ساری سنّی دنیا واقف ہو جائے۔

میرے یہ پاکیزہ مقاصد اگر اپنے اندر اہلِ حق کے لئے کوئی کشش رکھتے ہوں تو مجھے امید ہے کہ حسن التفات کے ساتھ میری ان حقیر کوششوں کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ خصوصیت کے ساتھ میں جنوبی ہند کے اہل سنن سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اپنے ہی گھر کے ایک گنج گراں نمایہ کو ہر طالب حق کے دامن تک پہنچانے کے لئے اُس والہانہ جذبے سے کام لیں گے جو حق کے علمبرداروں کا شیوہ ہے تاکہ منصب رسالت کے احترام کی بنیاد پر جنوب و شمال کے درمیان آواز کی ہم آہنگی کا ایک نیا دور شروع ہو۔

کتاب کی تلخیص وتسہیل میں میرے قلم کے ناگزیر تصرفات

اس کتاب کے قارئین پر میں اس حقیقت کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب کی تلخیص وتسہیل میں میرے قلم نے کیا کیا تصرف کیا ہے تاکہ اس کتاب کی جدید تصنیف کا الزام میرے اوپر عائد نہ ہو۔ ذیل میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ جگہ جگہ میں نے کتاب کے مباحث کے نئے نئے عنوانات قائم کر کے کتاب کے مضامین کو مختلف ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ متوسط ذہن کے لوگ بھی کتاب کے مضامین کو محفوظ کر سکیں۔

۲۔ بہت سے مقامات پر مصنف کے مراد کی وضاحت میں نے اپنے الفاظ میں کی ہے تاکہ شگفتہ اور سلیس زبان کے ذریعہ عبارت کا مفہوم اچھی طرح قارئین کے ذہن نشین ہو جائے۔ لیکن اکثر مقامات پر فاضل مصنف کے تاثرات خود اُنہی کے الفاظ میں بعینہٖ نقل کر دیئے ہیں۔ ان میں بھی کہیں کہیں مفہوم کی وضاحت کے لئے مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں یا آسان پیرایۂ بیان میں بدلنا پڑا ہے لیکن ایسی جگہیں بہت کم ہیں۔

(۳) حوالوں کے لئے صرف کتابوں، مصنفوں اور راویوں کے نام لکھے گئے ہیں اور آسانی کے لئے عربی کی اصل عبارتوں کے بجائے ان کے سلیس اردو ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے لیکن قرآن کی آیات بلفظہ نقل کی گئی ہیں۔ کہیں کہیں عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ کرتے ہوئے زورِ بیان کے لئے عربی عبارتوں کے ایک آدھ جملے بھی بلفظہ نقل کر دیئے گئے ہیں۔

(۴) کہیں کہیں بحث کے کسی حصے پر یا مصنف کی کسی عبارت پر میں نے اپنے الفاظ میں تبصرہ کیا ہے اور تبصرہ میں اُن نکتوں کو دیانت داری کے ساتھ واضح کرنے کی کوشش کی ہے جو بحث کے سیاق میں چھپے ہوئے ہیں تاکہ کتاب کی ہر بحث عوام کی ذہنی سطح سے قریب ہو جائے۔

(۵) جس مقام پر علمی سطح کی کوئی مشکل بحث تھی وہاں میں نے عبارت کا خلاصہ

اپنی زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ اہلِ علم کے علاوہ عام قارئین بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔

(۶) کتاب کی تلخیص کرتے ہوئے میں نے صرف اُن بنیادی مباحث کو سامنے رکھا ہے جو اصل مقصود ہونے کی حیثیت سے فاضل مصنف کے پیش نظر ہیں اور آسان پیرایۂ بیان میں اُنہی کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۷) فاضل مصنف نے جہاں جہاں بھی منکرین عظمت رسالت کے خلاف قلم اٹھایا ہے وہاں ان کے جذبۂ ایمان کی ترنگ دیکھنے کے قابل ہے۔ سطر سطر زلف جاناں کی خوشبو سے معطر ہے اور لفظ لفظ عشق و وفا کی غیرت میں بھیگا ہوا ہے۔ اور اسے جذبۂ عقیدت ہی کا تصرف کہیے کہ اس طرح کے مقامات پر عبارت اتنی شگفتہ اور قلم اتنا رواں ہو گیا ہے کہ پہچاننا مشکل ہے۔

ان سارے مقامات پر مصنف کی عبارت جوں کی توں نقل کی گئی ہے تاکہ کسی کو یہ عذر کرنے کا موقعہ نہ ملے کہ حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے جس عبارت کی توثیق فرمائی ہے اس میں رد و بدل کر دیا گیا ہے۔

(۸) کتاب کے آخر میں فتنۂ وہابیت کی تاریخ حضرت مصنف نے بڑی تفصیل سے لکھی ہے میں نے اسے سمیٹ کر مختصر کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں اس ایمان سوز فتنہ کی تاریخ اچھی طرح مستحضر ہو جائے۔

انوار احمدی کا سبب تالیف

شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبد الحمید صاحب کتاب کے پیشِ لفظ میں اس کے سبب تالیف پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"تخلیق انسان کے ساتھ ہی اس مقصد تخلیق کی تکمیل کے لئے خالق کائنات کی جانب سے رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا اور یہ سلسلہ سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم کر دیا گیا۔

آپ کا مرتبۂ بلند و درجہ عالیہ کو ظاہر کرنے کے لئے قرآن مجید میں

نہایت تاکید کے ساتھ امت کو آپ کے ادب و احترام اور آپ کی تعظیم و توقیر کو پوری طرح ملحوظ رکھنے کا حکم محکم دیا گیا ہے۔

ارشاد ہوا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ یعنی نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ گفتگو کے وقت خبردار اپنی آواز بلند مت کرو۔ بلکہ تنبیہ کی گئی کہ اگر آواز کو بلند کیا جائے گا تو تمام اعمال ضائع کر دئے جائیں گے۔

اور یہ کہ آپ کی قیام گاہ پر حاضر ہوں تو باہر سے آپ کو آواز دینے کی بجائے خود آپ کی تشریف آوری کا انتظار کریں۔ آپ کی بارگاہ میں اپنا کوئی مقدمہ پیش کریں تو آپ جو فیصلہ صادر فرمائیں اس کو بلا کسی تنگئ قلب کے قبول کرلیں۔ اور اس کو قبول نہ کرنا ایمان کے منافی ہونے کی علامت ہوگی۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ مخلص اور جلیل القدر صحابۂ کرام گفتگو اس قدر پست آواز میں کرتے کہ دوبارہ کہلوانے کی نوبت آتی۔ اور جب آپ کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتے تو اس قدر آداب و احترام اور سکوت و خاموشی کے ساتھ باادب بیٹھتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندہ بیٹھا ہوا ہے کہ ذرا سی حرکت سے اُڑ جائے گا۔

یہ حال تو اللہ کے نیک اور مخلص بندوں کا تھا مگر وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر پوشیدہ تھا وہ موقعہ بہ موقعہ کچھ نہ کچھ گستاخی کا اظہار کرتے۔ چنانچہ ایک دفعہ اُنہی کا ایک شخص مال غنیمت کی تقسیم کے موقعہ پر اِعْدِلْ یَا مُحَمَّد کا نعرہ لگایا یعنی اے محمد انصاف کرو۔

یہ سُن کر حضور کا چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ اِنْ لَّمْ اَعْدِلْ فَمَنْ یَّعْدِلُ یعنی اگر میں عدل و انصاف سے کام نہ لوں تو کون ہے جو انصاف کرے گا۔ فاروق اعظم کو یہ گستاخانہ جملہ اس قدر ناگوار ہوا کہ حضور کا پاس ادب نہ ہوتا تو اُسی وقت اُس کی گردن اُڑا دیتے۔ جب آپ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی گردن اڑا دینے

کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ اس قبیل کا ایک گروہ ہوگا جو ظاہری حیثیت سے نہایت عبادت گزار ہوں گے کہ ان کی عبادتوں کو دیکھ کر تم اپنی عبادتوں کو حقیر سمجھو گے۔ اسی سلسلہ میں حضور نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کُلّما طَلَعَ قُطِعَ یہ سینگ نکالیں گے تو کاٹ دی جائے گی مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر نمودار ہوگی۔

چنانچہ یہ سلسلہ اُس وقت سے برابر جاری ہے۔ اہلِ حق ان کے مقابل ہمیشہ کمربستہ رہے ہیں۔ انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اس لئے حقائق آگاہ عارف باللہ مولینا محمد انوار اللہ نے مدینہ طیبہ کے دورانِ قیام میں حضور کے اخلاق حسنہ اور آپ کے ادب و احترام سے متعلق صحابۂ کرام کے طریقۂ عمل کو نظم میں قلم بند فرما کر پھر بحوالۂ احادیث ان کی تشریح و توضیح فرمائی۔

جسے حضرت ممدوح کے مرشد، مرشد العلماء حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سُن کر بہت محظوظ و مسرور ہوئے اور اس کا نام انوار احمدی تجویز فرمایا۔

بلاشبہ اس میں انوار رسالت پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہیں جس سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے کہ موجودہ دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کے ادب و احترام کے خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب جب یہ سینگ نکلے گی کاٹی جائے گی اور پھر وہ نکلے گی۔ محافظ حقیقی عالمِ اسلام کو اُن کے شر سے محفوظ رکھے ۔۔۔ امین والحمد للہِ رَبِّ العٰلَمِیْن"

اس اقتباس میں حضرت شیخ الجامعہ کے پیش لفظ کا یہ حصّہ خاص طور پر قابلِ توجّہ ہے:

"موجودہ دور میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب و احترام کے

خلاف جو لوگ آواز بلند کرتے ہیں وہ اسی گروہ کے افراد ہیں جن کی نسبت
پیشین گوئی فرمائی گئی تھی کہ جب یہ سینگ نکلے گی تو کاٹی جائے گی اور
پھر وہ نکلے گی۔

اگرچہ شیخ الجامعہ نے ان لوگوں کا نام نہیں لیا ہے جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب احترام کے خلاف آواز بلند کرتے رہتے ہیں۔ لیکن میلاد و قیام، صلاۃ و سلام، اور تعظیم و عقیدت کی ساری روایات متوارثہ کے خلاف آج جو طبقہ شہر شہر اور قریہ قریہ میں اہلِ سنّت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اس کا نام نہ بھی لیا جائے جب بھی ہند و پاک کی ساری اسلامی دنیا اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ انوار احمدی کے سبب تالیف کے سلسلے میں حضرت شیخ الجامعہ کے اس بیان کا ہم پرجوش خیر مقدم کرتے ہیں کہ احادیث میں جس گستاخ فرقے کی نشاندہی کی گئی ہے، اس کے خلاف چودہ سو برس سے اہلِ حق جو مسلسل جہاد کرتے چلے آرہے ہیں، انوار احمدی بھی اسی سلسلے کی ایک زرین کڑی ہے۔

اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف

اگرچہ انوار احمدی کا صفحہ صفحہ اس حقیقت کے اظہار کے لئے ایک شفاف آئینہ ہے کہ اختلافی مسائل میں فاضل مصنف کا موقف کیا ہے۔ لیکن حضرت موصوف کی وہ طویل نظم جو مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں مرصّع ہوئی اور جس کی تشریح و توضیح میں انوار احمدی لکھی گئی، وہ اختلافی مسائل میں ان کے مذہبی موقف کی ایک کھلی ہوئی دستاویز ہے۔ جیسا کہ اُس طویل نظم کے وجود میں آنے کا قصہ خود فاضل مصنف نے اس کتاب کی تمہید میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

"جس زمانے میں آقائے دارین نے بنظر کمال بندہ پروری اس ناچیز کی حضوری افضل البلاد "مدینہ طیبہ" زادہا اللہ شرفاً میں منظور فرمائی تھی، وہاں چند روز ایسے گزرے کہ کوئی کام درس و تدریس وغیرہ کے متعلق نہ رہا۔ چونکہ نفس ناطقہ بیکار نہیں ہے اس لئے یہ بات دل میں آئی کہ چند مضامین میلاد شریف و فضائل و معجزات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتب احادیث و سِیَر سے منتخب کرکے منظوم کئے جائیں۔" (صفحہ)

سیر گلستانِ عقیدت

اب ذیل میں اُس مُسدّس نظم کے چند بند ملاحظہ فرمائیے۔ جو گلشن کے مہکتے ہوئے پھولوں کی طرح حسن عقیدت کی خوشبو سے مشام جان کو بھی معطر کرتے ہیں اور مشام ایمان کو بھی۔
ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتوں پر ایک وجدانی دلیل قائم کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

ٹھہرا کفارہ گناہوں کا جو ذکر اولیا　　اور از قسم عبادت ہو جو ذکر انبیا!
پھر ہو ذکر سرور عالم کا کیسا مرتبا　　جن کا ذکر پاک ہے گویا کہ ذکر کبریا
رفع ذکر پاک ثابت ہے کلام اللہ سے
مطمئن ہوتے ہیں دل ذکر شہ لولاہ سے

اب درود شریف کے عنوان پر فکر رسا کا ایک جلوہ دیکھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

جو کہ پڑھتا ہو درود اس کو شفاعت ہو نصیب　　راضی ہوگا حق گواہی دیں گے جب اس کے حبیب
عرش کا سایہ ملے گا ہوگا حضرت کے قریب　　ہوگا روز عید اس کو حشر کا روز مہیب
اور اس کثرت سے ہوگا نور اس دن اس کے ساتھ
جس کی وسعت میں سما سکتی ہو ساری کائنات

نعت شریف کی فضیلت پر اپنے جذبۂ دل کو شعر کے قالب میں ڈھالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

نعت وہ ہے جس کا حضرت نے کیا خود اہتمام　　حق تعالیٰ نے لیا جملہ نبیوں سے یہ کام
ہو جو محروم اس سے ہے ایمان اُس کا ناتمام　　اور جو دشمن ہو تو اُس کے کفر میں پھر کیا کلام
کی بذات خود خدا نے نعت جب محبوب کی
پھر ثنا دل سے کریں کیونکر نہ سب محبوب کی

تخلیق نور مصطفےٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے جو اچھوتا پیرایۂ بیان اختیار کیا ہے وہ دلوں کو چھو لیتا ہے:

یعنی جب خالق نے چاہا غیب کا اظہار ہو　　اور عبودیت کا ساری خلق میں اقرار ہو
فیض بخش کن فکاں گنجینۂ اسرار ہو　　گنج تاریک عدم جولا نگہ انوار ہو
نور سے اپنے کیا اک نور پیدا بے مثال
اور محمد اس کا رکھا نام حمداً لایزال

ظہور نور قدسی کی منظرکشی بہت سے لوگوں نے کی ہے لیکن حضرت ممدوح کا پیرایۂ بیان کس غضب کا ہے کہ آنکھیں فرطِ اثر سے بھیگ جاتی ہیں اور دل مسرتوں کے تلاطم میں ڈوبنے لگتا ہے۔ فرماتے ہیں،

پس وہ نور پاک رب العالمیں پیدا ہوئے　　مبدأ کونین و ختم المرسلیں پیدا ہوئے
جان عالم قبلۂ اہل یقیں پیدا ہوئے　　شکر ایزد رحمۃ للعالمیں پیدا ہوئے
دھوم تھی عالم میں خورشید کرم طالع ہوا
ہاں کریں تعظیم اب نور قِدَم طالع ہوا

ساری دنیا کے خوش عقیدہ مسلمان ولادت باسعادت کا دن نہایت محبت و احترام اور ذوق وشوق کے ساتھ مناتے ہیں۔ لیکن ایک طبقہ آتش غیظ میں سلگتا رہتا ہے۔ عید میلاد النبی کے جواز پر حضرت ممدوح نے ایسی اچھوتی دلیل پیش کی ہے کہ اس بند کو پڑھئے اور سر دھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

سامعیں سے ہے توقع غور فرمائیں ذرا　　تھا ذبیح اللہ کا فرحت فزا جو واقعہ
وہ مُعیّن روز روز عید ٹھہرایا گیا　　تہنیت کے سب رسوم اُس روز ہوتے ہیں ادا
روز میلاد نبی جس میں تھا وہ کچھ اہتمام
ہو نہ کیونکر واجب تعظیم پیش حق مدام

میلاد کے ساتھ قیام کا رشتہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے پھول کے ساتھ خوشبو کا۔ عرب وعجم کے سارے مومنین قانتین میلاد و قیام کی معنوی لذتوں سے عشق وعقیدت کا نور اور دل کا سرور حاصل کرتے ہیں لیکن کچھ لوگوں کے دلوں میں یہ دونوں چیزیں کانٹے کی طرح چبھتی ہیں۔ حضرت ممدوح نے اپنے اس بند میں میلاد و قیام کے جواز پر نہایت مسکت اور تشفی بخش دلیل پیش کی ہے۔ منکرین بھی تعصب کی عینک اتار کر اگر اس بند کو پڑھیں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ بھی ایمان لے آئیں۔ ارشاد فرماتے ہیں :

مجلس میلاد بھی حاکی ہے وقت خاص کی | جس میں حسب حکم خالق خلق نے تعظیم کی
پھر بھلا تعظیم وقت ذکر میلاد نبی | ہو خلاف مرضیٔ حق یہ نہیں ممکن کبھی

حق تعالیٰ تو کرائے سجدہ باصد عز و شاں
اور کھڑا ہونا نہ ہو جائز یہ کیسا ہے گماں

ولادت پاک کی خوشی میں ابولہب جیسے کافر لعین کو اپنی لونڈی آزاد کرنے پر دوزخ میں اپنی پیاس بجھانے کی جو آسانی میسر آئی اس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح جشن میلاد کی حمایت میں ایک دلیل پیش کرتے ہیں:

یہ اثر اللہ اکبر مجلس میلاد کا | کفر و دوزخ میں ہو جس کی آبیاری برملا
پھر جو ایماں بھی ہو ساتھ اس جشن کے سوچو ذرا | مبغضوں کی طرح کیا محروم وہ رہ جائے گا

یہ نہیں ممکن کہ رنج و شادمانی ایک ہوں
یہ تو ایسا ہے کہ جیسے آگ پانی ایک ہوں

اُس گستاخ فرقہ کے پیدا کردہ مسائل میں سے ایک مسئلہ بشریت مصطفےٰ کا بھی ہے۔ وہ حضور کو بالکل اپنی طرح بشر جانتا ہے اور اس رشتے سے وہ حضور کو اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں اس مسئلے کو بھی صاف کر دیا ہے۔ فرمانِ الٰہی کے بموجب حضور نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک بشر ہوں لیکن جب مومنین صحابہ سے اس مسئلے میں خطاب کا موقعہ آیا تو ارشاد فرمایا کہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اپنی طرح بشر کہنے کی جسارت کفار ہی کر سکتے ہیں۔ مومنین کا منصب یہ نہیں ہے کہ وہ حضور کو اپنی طرح بشر کہیں۔ قدرت و اختیار کے باوجود طائف میں کفار کے ظلم و جبر پر حضور کے صبر و ضبط کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ممدوح ارشاد فرماتے ہیں:

باوجود اس کے اٹھائے جبکہ صدمے اس قدر | تب کیا دعویٰ کہ ہوں میں بھی تمہیں سا اک بشر
ورنہ جو مسجود اک عالم کا ہوئے سر بسر | اہل دانش کس طرح رکھتے وہ دعویٰ معتبر

کس مصیبت سے چھپایا راز کو اغیار سے
پھر بھی لَسْتُ مِثْلَکُمْ فرما دیا اخیار سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے مسئلے میں بھی اُس گستاخ فرقے نے جن

شقاوتوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ مسلمانوں کی دل آزاری کا بدترین نمونہ ہے۔ حضرت فاضل ممدوح نے اپنے اس بند میں علم غیب رسول۔ کے مسئلے کو جس دل نشیں پیرائے میں واضح کیا ہے وہ ان کے تبحر علمی اور قوت استدلال کی بہترین مثال ہے۔ اس مسئلے میں صحابۂ کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

جتنے تھے اصحاب سب یہ جانتے تھے بالیقیں — کہ ہیں واقف موت سے ہر اک بشر کے شاہِ دیں
بلکہ تاخیر اجل چاہیں تو کچھ دقت نہیں — جس کی جو مرنے کی جا ٹھہراتے وہ مرتا وہیں

اہل خلد و نار کا رکھا تھا دفتر ہاتھ میں
گویا تھا ہر شخص کا نقش مقدر ہاتھ میں

اسی عنوان پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور بند ملاحظہ فرمائیں۔ کتنے آسان پیرائے میں کمالات نبوت سے متعلق ایک بنیادی عقیدے کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:-

تھا نظر سے شاہ دیں کے قدرت حق کا ظہور — یعنی تھا پیش نظر یک طور پر نزدیک و دور
دیکھتے تھے مقتدیوں کے خواطر کو حضور — ایک ساں تھی چشم نورانی کو تاریکی و نور

دیکھتے تھے واقعے روز قیامت کے عیاں
جس طرح ہیں دائمًا احوال امت کے عیاں

اسی مسئلے پر حضرت فاضل ممدوح کا ایک اور استدلال ملاحظہ فرمائیں۔ دلیل کی اساس بالکل وہی ہے جو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے اس شعر میں جلوہ گر ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

فکر کی ہم آہنگی پر حیرت کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایمان کا نصب العین دونوں کے یہاں مشترک ہے۔ اب پوری توجہ کے ساتھ حضرت ممدوح کا یہ بند پڑھئے۔

حضرت موسیٰ نے جب دیکھی تجلی طور پر — گو نہ دیکھا حق کو پھر بھی بڑھ گئی ایسی نظر
کہ شب یلدا میں دس فرسخ پہ چیونٹی ہو اگر — دیکھ لیتے، طور کی رویت کا تھا ایسا اثر

پھر جو خود اللہ کو حضرت نے دیکھا بار بار
کونسی شئے ہے جو حضرت پر نہ ہوتی آشکار

حضور کے قدرت واختیار کے مسئلے میں بھی اس گستاخ فرقے نے مومنین کے جذبۂ عقیدت پر خوں ریز حملے کئے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مدینے کے منافقین کا عناد ورثے میں ملا ہوا ہے۔ حضور کی ہر عظمت سے انکار اور ہر شیوۂ تعظیم وادب سے دل میں چبھن! دنیا میں شاید ہی کوئی ایسی بدبخت قوم ہوگی جو کسی کو اپنا پیغمبر بھی مانتی ہو اور اس کی طرف سے سینے میں جلن بھی رکھتی ہو۔ اس کا کلمہ بھی پڑھتی ہو اور اسی کی تنقیص میں دن رات غلطاں بھی رہتی ہو۔

کتاب وسنّت کے اوراق جس رسول کونین کے اختیارات وکمالات کی بھرپور شہادت دیتے ہوں اس کے بارے میں یہ لکھنا کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں؛ اُسے دل کی کدورت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اختیاراتِ مصطفٰے پر حضرت ممدوح نے صرف ایک بند میں فکری گمراہیوں کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔ اور دلیل کی قوتوں سے اس عقیدے کو اتنا مسلح کر دیا ہے کہ کسی بھی حملہ آور کو پوری طرح پسپا کیا جا سکتا ہے۔ اب پورے نشاطِ قلب کے ساتھ یہ بند پڑھئے:

دست کی توصیف میں ہیہات قاصر ہے زباں — کیونکہ دستِ عقل خود پہنچا نہیں اب تک یہاں
کل خزانوں کی انہی کے ہاتھوں میں ہیں سب کنجیاں — اور انہی ہاتھوں سے ہوگا فتح ابوابِ جناں

ہو تصرف کیوں نہ پھر اُس ہاتھ کا اکوان میں
جس کو خالق نے یدُاللہ کہہ دیا قرآن میں

اس طویل نظم میں کل ۸۵ بند ہیں لیکن جتنے بند یہاں نقل کئے گئے ہیں اُن سے اختلافی مسائل میں حضرت فاضل مصنف کا مسلکِ حق مہرِ نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتا ہے۔ اب اخیر میں اختصار کے ساتھ ہم حضرت موصوف کی سوانحِ حیات اس کتاب کے قارئین کی نذر کر رہے ہیں۔

سوانحِ حیات حضرت فاضل مصنف

حضرت کے سوانح نگار شاہ ابوالخیر گنج نشین کی روایت کے مطابق حضرت فاضل مصنف کی ولادت باسعادت ۴ ربیع الثانی ۱۲۶۴ھ میں ضلع ناڈیز میں ظہور پذیر ہوئی۔ ان کی والدۂ ماجدہ فرماتی ہیں کہ جب آثار حمل ظاہر ہوئے تو خواب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کو تلاوت قرآن مجید کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ حضرت فاضل مصنف کا سلسلۂ نسب والد ماجد کی طرف سے امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ تک پہنچتا ہے اور والدۂ محترمہ کی طرف سے حضرت سید احمد کبیر رفاعی سے جا ملتا ہے۔ ان کے والد بزرگوار ابو محمد شجاع الدین بڑے متبع سنّت اور عالم باعمل بزرگ تھے۔

حضرت شیخ الاسلام کی ابتدائی تعلیم والد محترم سے ہوئی۔ سات سال کی عمر میں حفظ قرآن مجید کے لئے آپ کو حافظ امجد علی نابینا کے سپرد کیا گیا۔ چار سال میں کلام مجید حفظ کر لیا۔ فارسی اور عربی کی تعلیم کے لئے آپ مولوی فیاض الدین اورنگ آبادی کے حوالے کئے گئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، ادب اور معقولات کی تکمیل فرنگی محل لکھنو میں ہوئی۔ ۱۲۸۴ھ میں اپنے وقت کے مشہور عالم دین مولانا حاجی امیر الدین کی صاحبزادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ ۱۲۸۵ھ میں محکمۂ مالگذاری میں پچھتر روپے ماہوار خلاصہ نویس کی حیثیت سے مقرر ہوگے۔ ایک بار سودی کاروبار کی مثل خلاصہ لکھنے کے لئے آپ کے پاس آئی جس کی وجہ سے اُسی دن آپ نے اس ناجائز ملازمت سے سبکدوشی حاصل کی۔

جامعہ نظامیہ کی بنیاد

ترک ملازمت کے بعد درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ علمی تبحر کی شہرت سُن کر دور دراز مقامات سے جوق در جوق تشنگان علم اس چشمۂ فیض کے کنارے جمع ہونے لگے۔ یہاں تک کہ جامعہ نظامیہ کے نام سے ان کے لئے باضابطہ ایک معیاری درس گاہ کی بنیاد رکھنی پڑی۔ سنہ ۱۲۹۲ھ میں اس عظیم درس گاہ کی بنیاد پڑی جس کا ڈنکا عرصۂ دراز تک برصغیر کے طول و عرض میں بجتا رہا۔

سلاطین دکن کی تعلیم و تربیت

اپنی علمی شہرت اور بے مثال تدریسی صلاحیت کی وجہ سے ۱۲۹۵ء میں سلاطین دکن کے استاذ کی حیثیت سے آپ کی تقرری عمل میں آئی۔ خاندان آصفیہ کا سب سے پہلا طالب علم جس نے آپ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا اس کا نام آصف سادس میر محبوب علی خاں تھا۔ سنہ ۱۳۰۶ھ میں آصف سابع میر عثمان علی خاں بھی آپ کے حلقۂ درس میں داخل کئے گئے اور مسلسل بائیس سال تک زیر تعلیم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ میر عثمان علی خاں کا دین اور دینی شعائر کے ساتھ گہرا لگاؤ آپ ہی کے حسن تربیت کا ثمرہ تھا۔

تعلیم سلوک اور بلادِ اسلامیہ کا سفر

شیخ الاسلام حضرت فاضل مصنف کے والد ماجد کو مولانا شاہ رفیع الدین قندھاری سے خلافت تھی اس لئے انھوں نے سلوک کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ بعد فراغ تعلیم ظاہری و باطنی انھوں نے تین بار بلادِ اسلامیہ کا سفر کیا۔

پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں حج کے ارادے سے مکہ معظمہ پہنچے اس وقت شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی وہاں موجود تھے۔ ان سے حضرت شیخ الاسلام نے تمام سلسلوں میں تجدید بیعت کی۔ اسی موقعہ پر بغیر کسی طلب کے حضرت حاجی صاحب نے شیخ الاسلام کو خلعت خلافت سے سرفراز کیا۔

۱۳۰۱ھ میں حجاز کا دوسرا سفر اور ۱۳۰۵ھ میں تیسرا سفر کیا اور تین سال تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ یہاں تمام وقت حرم محترم کے کتب خانہ میں گزرتا۔ آپ کی مائۂ ناز تصنیف انوار احمدی اسی زمانے میں یہاں لکھی گئی۔ اسی دوران قیام میں آپ نے ایک بہت بڑا علمی اور دینی کام یہ بھی کیا کہ یہاں کے قدیم کتب خانوں سے تفسیر، حدیث، اور فقہ کی نادر الوجود کتابوں کی نقول حاصل کیں۔ جن میں علی متقی کی کنز العمال، جامع مسانید امام اعظم، جوہر النقی علی سنن بیہقی، اور احادیث قدسیہ، خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

دائرۃ المعارف کا قیام

سوانح نگار کی روایت کے مطابق مدینہ منورہ کے دورانِ قیام میں تین بار خواب میں وہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضور نے خواب میں ارشاد فرمایا کہ حیدرآباد واپس جاؤ اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت کا کام انجام دو۔ جب اپنا خواب حضرت موصوف نے حاجی صاحب کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے واپسی کا حکم دے دیا۔

حیدرآباد واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الاسلام نے ۱۳۱۸ھ میں دو نہایت اہم اداروں کی بنیاد رکھی ایک کتب خانۂ آصفیہ اور دوسرا مجلس دائرۃ المعارف۔ آخر الذکر ادارے نے نادر الوجود کتابوں کی طباعت و اشاعت کی ایسی گرانقدر خدمت انجام دی کہ ایک عظیم مرکز اشاعت علم و فن کی حیثیت سے مجلس دائرۃ المعارف کو علمی دنیا میں ایک

نہایت بلند مقام حاصل ہو گیا۔ اسی ادارہ سے وہ سارے قلمی نسخے زیورِ طبع سے آراستہ ہوئے جن کی نقلیں مدینہ طیبہ کے دوران قیام میں حاصل کی گئی تھیں۔

شیخ الاسلام کی تصنیفات

ایک شہرۂ آفاق اُستاد اور ایک متبحر عالم دین ہونے کے علاوہ حضرت موصوف ایک پختہ کار صاحبِ قلم اور ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ ان کے شعری اور ادبی کمال کا اندازہ اُس طویل نظم کے چند بندوں سے اس کتاب کے قارئین نے کر لیا ہوگا جو پچھلے اوراق میں نقل کئے گئے ہیں۔ حضرت کی گرانقدر تصنیفات میں انوار احمدی، مقاصد الاسلام جو گیارہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ حقیقتہ الفقہ، افادۃ الافہام یہ دونوں کتابیں دو دو حصّوں پر مشتمل ہیں۔ کتاب العقل، الکلام المرفوع، انوار اللہ الودود فی مسئلہ وحدۃ الوجود خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

وصال شریف

ترسٹھ سال کی عمر میں حضرت شیخ الاسلام نے اس سرائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ جامعہ نظامیہ کے احاطے میں انھیں سپردِ خاک کیا گیا جو آج تک زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ ؎

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حضرت کے معمولات

سوانح نگار نے حضرت کے معمولات کی جو تفصیل بیان کی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے ایک نہایت مرتاض بزرگ تھے۔ اور سلف صالحین کے نقش قدم پر تھے۔ دن کا وقت جامعہ نظامیہ میں درس و تدریس میں گزرتا جسے وہ حسبتہً للہ انجام دیا کرتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد فتوحات مکیہ کا درس دیتے۔ راوی کے بیان کے مطابق فتوحات کے درس میں اکثر انوار و تجلیات کا نزول ہوتا۔ بہت سے لوگوں نے ارواحِ قدسیہ کی تشریف آوری کا واقعہ بیان کیا ہے۔

تہجد کی نماز سے پہلے تصنیف و تالیف کا کام کرتے۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد رات کے پچھلے پہر تک آرام کرتے اور پھر نماز فجر کے بعد جامعہ نظامیہ میں تشریف لے جاتے اور تدریس و افتاء اور دعوت و ارشاد کی خدمت انجام دیتے۔ یہی ان کے شب و روز کے معمولات تھے جسے زندگی کے آخری لمحے تک انھوں نے برقرار رکھا۔

اپنے پیش لفظ کی آخری سطریں لکھتے ہوئے میں صمیم قلب کے ساتھ دُعا کرتا ہوں کہ نئی ترتیب وتہذیب کے ساتھ اس کتاب مستطاب کی اشاعت سے میرا جو دینی مدعا ہے خدائے قدیر اُسے پورا فرمائے اور میری اس خدمت کو قبول کرے۔ اور حضرت شیخ کی اس گراں نمایہ کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر اپنی ہدایت وتوفیق کا دروازہ کھولے جو فکری گمراہیوں میں مبتلا ہیں۔

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر میں مکتبۂ جام نور نئی دہلی کے منتظمین کا شکریہ نہ ادا کروں جنھوں نے دیدہ زیب کتابت وطباعت کے ساتھ اس قابلِ فخر کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل کیا ہے۔

اخیر میں اہلِ علم حضرات سے التماس کرتا ہوں کہ کتاب کی نئی ترتیب وتہذیب میں اگر انھیں کہیں میرے قلم کی کوئی فروگزاشت نظر آئے تو اسے اپنے دامن عفو میں جگہ دیں گے۔

اب آپ ورق الٹئے اور اصل کتاب کا مطالعہ کیجئے۔

وما توفیقی الا باللہ وھوارحم الراحمین۔ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

بندۂ گنہگار طالب رحمت غفار

ارشد القادری

دفتر جامعہ حضرت نظام الدین اولیاء
نئی دہلی ۱۳
۲۷ محرام الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۳۰ اگست ۱۹۸۹ء

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ٥ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ٥ وَعَلٰی صَحْبِہِ الْمُرْشِدِیْنَ ٥ وَآلِہِ الْمُھْتَدِیْنَ ٥ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ٥

نعت گوئی بھی زبان و قلم کا ایک جہاد ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے تین حدیثیں نقل کی ہیں۔

پہلی حدیث

مشہور صحابیٔ رسول حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ سوال پیش کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شعر و شاعری کی برائی میں یہ آیت نازل فرمائی ہے اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ ٥ شعراء وہ ہیں جن کی گمراہ لوگ پیروی کرتے ہیں۔ ان کے سوال کا مدعا یہ تھا کہ اب ایسی صورت میں شعر کہنا کیونکر روا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اِنَّ الْمُؤْمِنَ یُجَاھِدُ بِسَیْفِہٖ وَلِسَانِہٖ ایمان والے تلوار سے بھی جہاد کرتے ہیں اور زبان سے بھی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ کفار کے مقابلے میں تمہارا شعر پڑھنا تیر اندازی کی طرح ہے۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی مدافعت میں تم جو اشعار کہتے ہو وہ تیر کی طرح کفار کے سینوں کو گھائل کرتے ہیں۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

دوسری حدیث

مشہور محدث حضرت ابن عبد البر نے استیعاب میں نقل کیا ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ نعت گوئی کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور اپنی زبان سے بھی۔ یعنی اسلام اور پیغمبر اسلام کی طرف سے مدافعت کے لئے تلوار سے بھی کام لیتا ہے اور زبان سے بھی۔ (استیعاب)

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں مصنف کتاب کا یہ تبصرہ حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> الحاصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل اور اُن مخالفین کے جوابات، میں جو تنقیص شان کرتے ہیں، اشعار کا لکھنا لسانی جہاد ہے جو تیر کی طرح کام کرتا ہے۔ (انوار احمد صہ ۳)

تیسری حدیث

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ عرب کے مشہور شاعر نابغہ جعدی نے حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں چند اشعار پڑھے حضور نے خوش ہو کر انھیں یہ دُعا دی۔

لَا يَفْضُضِ اللّٰهُ فَاكَ	اللہ تمہارے منہ کی مہر نہ
اَیْ لَا يُسْقِطِ اللّٰهُ اَسْنَانَكَ	توڑے یعنی تمہارے دانت نہ گریں
(بیہقی)	اور منہ کی رونق نہ بگڑے۔

اس حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ باوجودیکہ حضرت نابغہ کی عمر سو برس کی ہوگئی تھی لیکن ان کے کل کے کل دانت صحیح و سالم تھے اور اولے کی طرح سفید تھے۔ راویانِ حدیث نے یہاں تک اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے کہ :

إِذَا سَقَطَ لَهُ سِنٌّ نَبَتَ لَهُ أُخْرٰى	جب ان کا کوئی دانت گر جاتا تو بڑھاپے میں بھی اس کی جگہ نیا دانت نکل آتا۔
(دارقطنی)	

یہ سرتاسر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تھی کہ نعت پڑھنے والے کے منہ کی خوبصورتی زندگی کی آخری سانس تک برقرار رہی۔

حضور ہی کے وجود سے سارے عالم کا وجود ہے

اس موضوع پر مصنف کتاب نے احادیث کے چمنستانوں سے جو گلہائے رنگارنگ جمع کئے ہیں ان کی خوشبو سے دنیا ہمیشہ معطر رہے گی۔ ذیل میں قارئین کرام حدیثوں کی مہکتی ہوئی قطاریں ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی حدیث

حاکم نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ تم بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور اپنی اُمّت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہیں کہ اگر میں ان کو نہ پیدا کرتا تو نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ جنّت دوزخ کو، جب میں نے پانی پر عرش کو بچھایا تو وہ ہلنے لگا۔ جب میں نے اس پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه لکھ دیا تو وہ ساکن ہوگیا۔

اور ابن سبع نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

مِنْ اَجْلِكَ اَسْطَحُ الْبَطْحَاءَ وَ اُمَوِّجُ الْمَوْجَ وَ اَرْفَعُ السَّمَاءَ وَ اَجْعَلُ الثَّوَابَ وَ الْعِقَابَ۔	آپ ہی کی وجہ سے میں نے زمین کو بچھایا اور لہراتے ہوئے دریا پیدا کئے اور آسمانوں کو بلند کیا اور عذاب و ثواب کے ضابطے مقرر کئے۔
(زرقانی علی المواہب)	

دوسری حدیث

حضرت ابن عساکر نے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن سیدنا جبریل علیہ السلام حضور پاک صاحبِ لولاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ کا رب ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا۔ اور عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں پیدا کی جو میرے نزدیک آپ سے زیادہ بزرگ ہو۔ اور میں نے دنیا اور دنیا والوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ ان پر میں ظاہر کردوں کہ میرے نزدیک آپ کا مرتبہ اور آپ کی بزرگی کیا ہے۔ اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (المواہب اللدنیہ)

ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔ ایک ایک لفظ محبت وعقیدت کی خوشبو سے معطر ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> حدیث سابق میں جو مذکور ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عالم پیدا کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفرینش خلق کا مقصود یہ ہے کہ حضرت کا مرتبہ اور عظمت ظاہر ہو۔ پھر جب خداوند قدوس نے صرف اظہارِ فضیلت کے لئے اس قدر اہتمام کیا ہو تو ضروری ہے کہ تمام عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت میں بہ دل و جان مصروف ہو۔ کیونکہ بادشاہ اگر کوئی عمدہ اپنی مرغوب چیز کسی شخص کو بتلائے اور وہ شخص اس چیز کی تعریف نہ کرے تو غیرت پادشاہی اس امر کی مقتضی ہوگی کہ اس بے ادبی کی پاداش میں اسے سخت سزا دی جائے اور ایسا شخص سوائے متمرد اور سرکش کے دوسرا نہ ہوگا۔
>
> اسی وجہ سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سوائے سرکش جن و انس کے زمین و آسمان کی ہر مخلوق مجھے جانتی پہچانتی ہے۔ (کتاب الشفاء۔ بیہقی) (انوار احمدی صفحہ ۱۴)

تیسری حدیث

ثعلبہ ابن مالک سے ابُو نُعَیْم نے اور جابر ابن عبد اللہ سے احمد، دارمی، بزار اور بیہقی نے، اور عبد اللہ ابن جعفر سے مسلم اور ابو داؤد نے روایت کی ہے کہ مدینہ کے کسی باغ میں ایک اونٹ تھا جو دماغی خلل میں مبتلا ہو گیا تھا اس کی دہشت سے لوگ اس باغ میں نہیں جاتے تھے۔ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جیسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس اونٹ کو آواز دی وہ دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے اپنا ہونٹ زمین پر رکھ دیا۔ حضور نے اسے مہار لگا دی اور ارشاد فرمایا کہ نافرمان جن وانس کے علاوہ زمین و آسمان کی کوئی مخلوق ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ جانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

فائدہ

مصنف کتاب نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ چونکہ حضور ہی کے لئے سارا عالم پیدا کیا گیا ہے اس لئے عالم کی ہر چیز حضور کو جانتی ہے۔ بلکہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے کفار بھی حضور کو جانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نبی برحق ہیں مگر مانتے نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَھُمْ یعنی کفار کو حضور کے نبی ہونے کا علم بالکل ایسا ہی جیسے اپنی اولاد کے بارے میں انھیں علم ہے کہ وہ ان کی اولاد ہیں۔

چوتھی حدیث

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام جنّت سے نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ عرش کے ستونوں پر اور جنّت کے در و دیوار پر ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا کہ یہ محمد کون ہیں جن کا نام تیرے نام کے ساتھ ملا ہوا ہے، ارشاد ہوا کہ ھٰذَا وَلَدُكَ لَوْلَاہُ لَمَا خَلَقْتُكَ۔ یہ تیرے فرزند ہیں اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے نہ پیدا نہ کرتا۔ یہ سنتے ہی انھوں نے التجا کی۔ یَا رَبِّ بِحُرْمَۃِ ھٰذَا الْوَلَدِ

اِرۡحَمۡ هٰذَا الوَالِدَ " اے میرے پروردگار اس فرزند جلیل کے طفیل میں اس کے باپ پر رحم فرما۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! اس کے وسیلہ سے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے لئے بھی تم دعا کرتے تو میں تمہاری دعا ضرور قبول کرتا۔

پانچویں حدیث

امام سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، طبرانی نے مُعجَم صغیر میں حاکم اور ابونعیم نے دلائل میں ابن جوزی نے کتاب الوفا میں اور ابن عساکر نے حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی تو انھوں نے عرش الٰہی کی طرف سر اُٹھا کر دُعا کی کہ الٰہی بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم مجھے معاف کر دے، ارشاد ہوا کہ محمد کو تم نے کیونکر پہچانا، عرض کیا کہ جب تو نے مجھے پیدا کیا تو میں نے عرش کی طرف سر اٹھا کر دیکھا کہ اس پر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ لکھا ہوا ہے اس سے میں نے جانا کہ جس کا نام تو نے اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے اس سے زیادہ مقرب اور صاحب مرتبت اور کوئی تیرے دربار میں نہیں ہے۔ ارشاد ہوا۔ اے آدم! وہ تیری اولاد میں سب سے آخری نبی ہوں گے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تجھے نہ پیدا کرتا۔

ایک شبہ کا ازالہ

ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہو کہ اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ جنت سے نکلتے وقت حضرت آدم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔ جبکہ اس سے پہلے والی حدیث میں ہے کہ انھوں نے خدا سے خود دریافت کیا کہ محمد کون ہیں۔ یہ سوال بتا رہا ہے کہ اس وقت تک وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے واقف نہیں تھے۔ دونوں حدیثوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلے اصولی طور پر ایک بات سمجھ لینی چاہیے کہ ہر سوال کا منشا ناواقفیت نہیں ہوتا۔ بعض مصلحتوں کی وجہ سے کبھی جانتے ہوئے بھی آدمی سوال کرتا ہے۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے قبل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت آدم علیہ السلام کا علم ان کے اپنے قیاس پر مبنی تھا۔ اس لئے سوال سے حضرت آدم علیہ السلام کا مدعا یہ تھا کہ خود خداوند قدوس کے

کے ذریعہ انھیں صراحت کے ساتھ معلوم ہوجائے کہ اس کے دربار میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے ؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ ہی کا ذکر ہے

اس موضوع پر حضرت مصنف نے اپنے علم وفضل کے جو گل و بوٹے کھلائے ہیں وہ عشاق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے قلب و روح کی فرحت و سرور کا بہترین سامان ہیں۔ ایمان وعقیدت کی آنکھ میسر آئے تو ذیل میں رفعت ذکر مصطفےٰ کے بصیرت افروز دلائل کا مطالعہ کیجئے۔

پہلی دلیل

قاضی عیاض کی کتاب الشفاء، صحیح ابن حبان اور مسند ابی یعلی میں حضرت ابوسعید خدری سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک دن جبرئیل امین میری خدمت میں حاضر ہوئے اور مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ تم جانتے ہو کہ میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ آپ کا ذکر میں نے اس طرح بلند کیا ہے کہ جس وقت میں ذکر کیا جاتا ہوں آپ بھی ذکر کئے جاتے ہیں۔

مصنف کتاب اس حدیث کے ذیل میں یہ ایمان افروز نکتہ سپرد قلم فرماتے ہیں:

> ابن عطا کہتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کا اتمام واکمال اسی بات پر مقرر کیا گیا ہے کہ آپ کا ذکر میرے ذکر کے ساتھ ہو اور یہ کہ آپ کا ذکر میرا ہی ذکر ہے۔ (انوار احمدی صـ۱۹)

دوسری دلیل

آیت کریمہ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" بغور سنو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں

سکون ملتا ہے" کی تفسیر میں امام جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں" ابن ابی شیبہ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور ابوالشیخ کے حوالہ سے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ کے ذکر سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کا ذکر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ذکر محمد عین ذکر الٰہی ہے اور ذکر صحابہ عین ذکر محمد ہے کہ محمد کو اللہ نے سنوارا ہے اور صحابہ کو محمد نے آراستہ کیا

فائدہ

مصنف کتاب اسی مقام پر ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> حضرت مجاہد نے بِذِکْرِ اللّٰہ کی تفسیر میں بمحمد و اصحابہ جو کہا ہے ہر چند بظاہر آیتہ شریف کا مناسب نہیں معلوم ہوتا مگر چونکہ ایک محدث جلیل القدر نے تفسیر کی ہے اس لئے اسے حسن ظن کے ساتھ مان لینا چاہیے کہ یہ حضرات تفسیر بالرائے نہیں کرتے۔ یقیناً انھیں سماعی طور پر اس تفسیر کی روایت پہنچی ہوگی۔ انوار احمدی ص ۳۰

تیسری دلیل

جامع صغیر اور اس کی شرح سراج المنیر میں حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نبیوں کا تذکرہ ایک طرح کی عبادت ہے اور اولیاء اللہ کا ذکر گناہوں کے لئے کفارہ ہے اور موت کا ذکر صدقہ ہے اور قبر کا ذکر جنت سے قریب ہونے کا ذریعہ ہے۔

فائدہ

حضرت مصنف اس حدیث کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:

> جب انبیاء علیہم السلام اور سائر اولیاء اللہ کا ذکر عبادت اور کفارۂ گناہ ٹھہرا تو سلطان الانبیاء و الاولیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر

کس درجہ کی عبادت اور گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ یقین ہے کہ اس ذکرِ پاک میں کچھ خصوصیت ایسی ضرور ہوگی جو دوسرے میں ہرگز نہ ہوسکے۔
انوار احمدی ص۱۸

چوتھی دلیل

مواہب لدنیہ میں یہ حدیث ثقہ راویوں سے نقل کی گئی ہے کہ قیامت کے دن حافظِ قرآن کی ایک جماعت دوزخ میں ڈالی جائے گی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ان کے ذہن سے اللہ تعالیٰ بھلا دے گا۔ یہاں تک کہ حضرت جبریل علیہ السلام جب انھیں یاد دلائیں گے تو وہ حضور پاک صاحب لولاک کا ذکر کرنے لگیں گے۔ اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فَتَخْمِدُ النَّارُ وَ تَنْزَجِرُ مِنْهُمْ۔	حضور کے ذکر شریف کی برکت سے آگ بجھ جائے گی اور عذاب ہٹ جائے گا۔

مصنف کتاب اس واقعہ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر ذکرِ محمد ذکرِ الٰہی نہ ہوتا تو ذکرِ محمد سے اللہ کا عذاب ہرگز نہ ٹلتا۔

پانچویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حافظ ابو طاہر سلفی اور ابن بکیر کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو بندے قیامت کے دن اللہ کے حضور میں کھڑے کئے جائیں گے۔ حکم ہوگا انھیں جنت میں داخل کرو۔ وہ عرض کریں گے اے پروردگار! کس سبب سے ہم جنت کے مستحق ٹھہرائے گئے حالانکہ اپنی زندگی میں ہم نے کوئی ایسا عمل نہیں کیا تھا جس کا بدلہ جنت ہو۔ ارشاد ہوگا۔

اُدْخِلَا الْجَنَّةَ فَانِّی اٰلَیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ اَنْ لَّا یَدْخُلَ النَّارَ مَنْ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ وَ لَا مُحَمَّدٌ۔	تم دونوں جنت میں داخل ہوجاؤ۔ اس لئے کہ میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ جس کا نام محمد یا احمد ہوگا وہ دوزخ میں داخل نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ

اس مقام پر حضرت مصنف ایک شبہ کا ازالہ کرتے ہوئے ایمان وعقیدت کی آنکھیں
دل ٹھنڈی کرتے ہیں۔

> اگر کوئی شبہ کرے کہ بعض ملاحدہ اور بدعقیدہ لوگ بھی نام مبارک کے ساتھ وابستہ ہیں تو گویا دخول جنت کا یہ پروانہ ان کے لئے بھی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے سارے فضائل بلکہ جملۂ اعمالِ حسنہ بغیر ایمان کے کچھ کام نہیں آتے۔ کیونکہ سب سے مقدم خدا اور رسول پر صحیح ایمان اور ان کی محبت ہے۔ جب یہی معاملہ ٹھیک نہ ہو تو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہوگا۔ اس حدیث سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ خدائے ذوالجلال کے دربار میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے معظم و محترم ہیں کہ حضرت کے نام کی توہین بھی حق تعالیٰ کو گوارا نہیں۔" (انوار احمدی ص ۲۳)

چھٹی دلیل

محدث کبیر حضرت ابن عساکر کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتہ عبودیت کی بنیاد پر استوار کرنا۔ جب اللہ کا ذکر کرنا تو اس کے ساتھ اس کے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے ان کا نام مبارک عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا جب میرے قالب خاکی میں پہلی بار روح داخل ہوئی تھی۔

پھر میں نے تمام آسمانوں کی سیر کی اور ہر طرف گھوم پھر کر دیکھا مجھے کوئی ایسی جگہ نہ ملی جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میرے رب نے مجھے جنت میں رکھا، وہاں کوئی محل، کوئی بالاخانہ، اور کوئی برآمدہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کا نام نامی نہ کندہ ہو، میں نے حوروں کے سینوں پر، جنت کے درختوں پر، شجر طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر، عرش الٰہی اور حریم قدس کے پردوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کی پتلیوں میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک ستارے کی طرح جگمگاتا ہوا دیکھا ہے۔ اس لئے ایک لائق و فائق بیٹے کی طرح میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ تم ایک لمحہ بھی ان کی یاد سے غافل نہ رہنا۔ عالم ملکوت والوں کو میں نے دیکھا ہے کہ اُنہی کے ذکر سے وہ اپنی توانائی حاصل کرتے ہیں۔

فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ فکر انگیز تبصرہ توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے اس فرزند کو جو محبوب ترین اولاد اور خلیفہ تھے، وصیت کی کہ آنحضرت کا ذکر بکثرت کیا کریں۔ اس وصیت میں بظاہر دو فائدے ہیں۔ ایک خاص نفع ذاتی شیث علیہ السلام کا کہ ذکر کی بدولت حق تعالیٰ کے نزدیک ان کا تقرب بڑھے

دوسرا یہ کہ تمام اولاد کی بھلائی بھی مدنظر تھی۔ کیونکہ جب سب کو یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ انھوں نے اپنے پیارے فرزند ولیعہد کو ایسی وصیت کی ہے تو ان میں جو زیرک اور خلف الصدق (لائق بیٹے) ہوں گے، ضرور اس کام کی طرف رغبت کریں گے۔ اس پر اگر کسی ناخلف نے پدر مہربان کی وصیت کو لغو سمجھا تو اس نے اپنا ہی نقصان کیا۔

اب اس موقع پر ہمارے قارئین اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ جب انبیائے اولوالعزم نے ذکر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس قدر اہتمام کیا ہو تو ہم امتیوں کو کس قدر اس کا اہتمام والتزام چاہیے کیونکہ ہمارا تو دین و ایمان ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت ہے۔ (انوار احمدی صہ ۲۶)

ساتویں دلیل

مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں حضرت ابونعیم کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام آسمان سے سراندیپ (جزیرہ ہند) میں اتارے گئے تو انھیں وحشت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غم واندوہ کے ازالہ کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا۔ انھوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے اذان دی جس سے ان کی وحشت دور ہوگئی۔

فائدہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت مصنف نے جو افادہ فرمایا ہے وہ اہل عشق وایمان کے لئے حرز جاں بنانے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں یہ اثر دیا گیا ہے کہ وحشت و اندوہ کو دفع کرے۔ یہاں ایک بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ اگر کسی بداعتقاد قسی القلب کے دل میں یہ اثر ظاہر نہ ہو تو یہ نہ سمجھیں کہ اس کی تاثیر میں فرق ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ محل میں صلاحیت نہیں۔ جیسا کہ ساری دنیا کے اطباء معترف ہیں کہ جب محل میں صلاحیتِ قبول نہ ہو تو دوا کیسی ہی قوی الاثر کیوں نہ ہو کچھ تاثیر نہیں کرتی (انوار احمدی ص ۳۱)

آٹھویں دلیل

عہد صحابہ کا ایک نہایت ایمان افروز واقعہ

مواہب لدنیہ میں ابن عدی، ابن ابی الدنیا، بیہقی اور ابونعیم جیسے اکابر محدثین کے حوالے سے ایک نہایت عقیدت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اس واقعہ کے راوی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک انصاری

نوجوان کا انتقال ہوا۔ ان کی ماں نہایت بوڑھی اور نابینا تھیں۔ انتقال کی خبر سُن کر ہم لوگ ان کے گھر گئے اور نوجوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا انتقال کر گیا۔ ہم لوگوں نے جواب دیا ہاں! وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ یہ دُعا مانگی۔

اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتُ تَعْلَمُ اِنِّيْ هَاجَرْتُ اِلَيْكَ وَاِلٰى نَبِيِّكَ رَجَاءَ اَنْ تُعِيْنَنِيْ عَلٰى كُلِّ مُشَقَّةٍ فَلَا تَحْمِلَنَّ عَلَيَّ هٰذِهِ الْمُصِيْبَةَ۔

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری اور تیرے نبی کی طرف ہجرت اس امید پر کی ہے کہ تو ہر سختی میں میری مدد کرے گا تو میرے جوان بیٹے کا صدمہ میرے اوپر مت ڈال۔

اس واقعہ کے راویان چشم دید بیان کرتے ہیں کہ دعا کے یہ الفاظ جیسے ہی تمام ہوئے نوجوان کے جسم میں حرکت پیدا ہوئی اور اس نے اپنے منہ سے کپڑا ہٹا دیا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ہم سے باتیں کرنے لگا اور ہمارے ساتھ کھانا کھایا اور وہ اس وقت تک زندہ رہا کہ اس کی ماں کا انتقال اس کے سامنے ہوا۔

فائدہ

اس واقعہ کے ذیل میں موتیوں کی طرح چمکتی ہوئی حسن عقیدت کی یہ لڑیاں ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت مصنّف ارشاد فرماتے ہیں:

> سبحان اللہ! کیسا قوی ذریعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کا اُن بی بی صاحبہ کے دل میں متمکن تھا کہ بغیر سوچے ایسی نازک حالت میں بھی ان کی زبان پر آگیا۔ اور کیسا اعتقاد تھا کہ شک کو کچھ موقعہ ہی نہیں ملا۔ یہ عقیدہ اچھی طرح ان کے دل میں راسخ تھا کہ جب سب گھر بار چھوڑ کر حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے اور حضرت ہی کے ہو رہے تو کیسی ہی مصیبت کیوں نہ ہو جب اس ذریعہ سے دُعا کی جائے گی تو موت بھی ہو گی تو ٹل جائے گی۔
>
> انوار احمدی صفحہ ۳۶

جلالتِ شانِ مصطفیٰ کے رنگا رنگ جلوے

اس عنوان کے ذیل میں حضرت مصنف کے قلم کی روانی چشمۂ کوثر کی لہراتی ہوئی موج بن گئی ہے۔ کہیں کہیں تو جذبۂ عقیدت کے تلاطم کی ایسی والہانہ کیفیت پیدا ہو گئی ہے کہ جی چاہنے لگتا ہے کہ نوکِ قلم کو آنکھوں سے لگا لیں، ہونٹوں سے چومیں اور دل میں اتار لیں۔ مومنین کے قلوب کو سرور میں ڈبو دینے والی ایسی مرصع عبارتیں کہ والہانہ محبت کا نور سطر سطر سے ٹپک رہا ہے اور حقائق و معانی کی قدر و قیمت کا کیا پوچھنا کہ عشق و اخلاص کی خوشبو سے الفاظ کے دامن تک مہک اٹھے ہیں۔ حضرت مصنف کے احساسات کے آئینے میں ایمان کا نقطۂ عروج دیکھنے کے قابل ہے۔

پچھلے اوراق میں بیان کردہ احادیث طیبات کا جائزہ لیتے ہوئے حضرت مصنف رقم طراز ہیں:۔

ان تمام روایات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو قدر و منزلت اور جو خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک ہے اس کا کچھ حساب و شمار نہیں۔ اب یہ معلوم نہیں کہ منشا اور سبب اس کا کیا ہے۔؟ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف رسول ہی تھے تو اتنا کافی تھا کہ مثل دوسرے رسول کے بعد ادا کرنے فرضِ منصبی یعنی تبلیغ رسالت کے مستحق تحسین ہوتے لیکن اس کے کیا معنیٰ کہ ہنوز عالم ہستی کا نام تک کسی کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ لسانِ غیب سے آپ کی عظمت و نام آوری کے چرچے ہونے لگے۔

حضرت آدم نے جب عدم سے آنکھ کھولی تو پہلے پہل جس چیز پر

نظر پڑی وہ آپ ہی کا نام نامی تھا جو خالق بے ہمتا کے ساتھ ہر جگہ جلوہ گر تھا۔ شجرِ خلد کا ہر پتہ گواہی دے رہا ہے کہ ان کی نظیر کا کہیں پتہ نہیں۔ ہر فرشتہ آپ کے ذکر میں رطب اللسان ہے اور بزبان حال "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ" مختصر کے ساتھ نغمہ سرا ہے۔ ایک طرف انبیائے اولوالعزم نعت گوئی میں مصروف ہیں تو دوسری طرف آرزو امتی ہونے کی کوئی کر رہا ہے اور کوئی ان کے توسل سے مرادیں مانگ رہا ہے۔

معلوم نہیں قبل وجود کونسی جانفشانی آپ کی حق تعالیٰ کو ایسی پسند آگئی کہ اس قدر عزت افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اگر جانفشانی پر اس کا مدار ہوتا تو انبیائے سابقین زیادہ تر مستحق ان مراتب کے تھے۔ معاذ اللہ یہاں عبودیت و عبادت کو کیا دخل! یہ تو ایک ایسی فضیلت خاص ہے جو قبل تخلیق عالم ان کے حق میں مقدر ہو چکی تھی و ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم ہ

اب اگر بالفرض کوئی تمام ملائکہ اور جن و انس وغیرہ کے برابر عبادت کرکے یہ توقع رکھے کہ ہم بھی ایسا رتبہ حاصل کر سکتے ہیں تو کیا ممکن ہوگا؟ معاذ اللہ! یہ بھی ایک قسم کا جنون سمجھا جائے گا۔ کیونکہ خالق عالم جل شانہٗ ازل سے ابد تک کی فضیلت اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر چکا۔

ازل کا حال تو کسی قدر معلوم ہوا، ابد کا حال بھی آئندہ معلوم ہو جائے گا کہ جنت کی کنجیاں بھی حضرت ہی کے ہاتھ میں ہوں گی۔ اور جنت کی سلطنت حضرت ہی کو مسلم ہے۔ پھر یہ خیال کہ کسی دوسرے کو بھی حضرت کی سی فضیلت حاصل ہو سکتی ہے، اس خدائی میں تو اس کا ظہور ممکن نہیں کیونکہ یہاں تو انحصار ازل اور ابد کا ہو گیا۔ اب اس سے زیادہ اس خیال میں خامہ فرسائی کرنا کلمات کفر کی حمایت کرنا ہے۔ کسی مسلمان کو طمع تو درکنار، خیال تک نہیں آسکتا کہ شرافت و فضیلت میں حضرت کے ساتھ برابری ڈھونڈے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!
اس تقریر سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ دوسرے شخص کا خاتم النبیین
ہونا محال ہے۔ (انوار احمدی ص ۱۴۱)

عقیدۂ ختم نبوت پر ایک فکر انگیز بحث

عقیدۂ خاتم النبیین پر حضرت مصنف کے علمی دلائل، ایمانی شواہد، اور بصیرت افروز تنبیہات کی شاندار بحث پڑھنے سے پہلے جامعہ نظامیہ حیدر آباد کے شیخ محترم مولانا عبد الحمید صاحب کا یہ حاشیہ پڑھئے تاکہ بحث کے بنیادی گوشوں سے آپ پوری طرح باخبر ہو جائیں۔ شیخ الجامعہ تحریر فرماتے ہیں۔

تحذیر الناس نامی کتاب میں خاتم النبیین کے مسئلے پر (مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند) نے ایک فلسفیانہ بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"خاتم النبیین ہونا فضیلت کی بات نہیں۔ کسی کا مقدم زمانے یا متأخر زمانے یعنی اگلے اور پچھلے زمانے میں پایا جانا فضیلت سے تعلق نہیں رکھتا۔ اور اگر بالفرض آپ کے بعد کوئی نبی آجائے تو آپ کی فضیلت پر اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا۔ کیونکہ خاتم النبیین ہونے میں امکان ذاتی کی نفی نہیں یعنی آپ کے بعد کسی نبی کا ہونا ممکن ہے۔"

اس شبہ کا ازالہ حضرت مولانا مرحوم "مصنف کتاب" نے اپنے اس مضمون میں نہایت وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"خاتم النبیین کا وصف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے جو آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مختص ہے کسی اور میں پایا نہیں جاسکتا۔ خاتم النبیین کا لقب ازل ہی سے آپ کے لئے مقرر ہے۔ اس کا اطلاق آپ کے سوا کسی اور پر نہیں ہوسکتا کیونکہ خاتم النبیین کا مفہوم جزئی حقیقی

ہے۔ جزئی حقیقی وہ ہے جس کا اطلاق ایک سے زائد پر عقلاً ممتنع ہے لہذا ایسی صورت میں کسی اور خاتم النبیین کا ذاتی امکان باقی نہ رہا۔

اسی مضمون کو حضرت نے تحذیر الناس کے جواب میں پھیلا کر تحریر فرمایا ہے اور اس میں وضاحت فرمائی ہے کہ جب اللہ جل شانہ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کلام قدیم میں "خاتم النبیین" فرمایا ہے تو حضور ازل ہی سے اس صفت خاص کے ساتھ متصف ہیں۔ ایسا کوئی زمانہ نہیں جو باری تعالیٰ کے علم اور کلام پر مقدم ہو۔ اور اس میں کوئی اور شخص اس وصف سے متصف ہو سکے۔ پس خاتم النبیین کی صفت مختصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں منحصر ہے کسی دوسرے کا اس صفت کے ساتھ اتصاف محال ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ پڑھ کر ہر نئی بات کو خواہ حسنہ ہو یا سیئہ مستوجب دوزخ قرار دیا کرتے ہیں وہ اس سوال کا جواب دیں کہ کیا خاتم النبیین پر فلسفی بحث بدعت نہیں ہے۔ جو نہ قرآن میں ہے اور نہ اس کے بارے میں کوئی حدیث وارد ہے، نہ قرون ثلثہ میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین نے خاتم النبیین پر ایسی کوئی بحث کی ہے۔

مزید براں اس بدعت قبیحہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ قادیانی نے اس فلسفیانہ استدلال سے اپنی نبوت پر دلیل پیش کی اور شہادت میں مصنف تحذیر الناس کا نام پیش کیا۔ اب یہ مقدمہ مدعی اور گواہ کے ساتھ اسی بارگاہ میں پیش ہوگا جس نے امت کو تعلیم دی ہے کہ اپنی آوازوں کو نبی کی آواز پر بلند مت کرو۔ بلند کرو گے تو تمہارے سارے اعمال حبط کر دئے جائیں گے۔

(محمد عبدالحمید شیخ الجامعہ نظامیہ انوار احمدی ص۴۲

اس حاشیہ کے بعد اب حضرت مصنف کی وہ زلزلہ فگن تنبیہات ملاحظہ فرمائیں جو لفظ خاتم النبیین کے سلسلے میں "تحذیر الناس" کے مصنف کے خلاف انھوں نے صادر فرمائی ہیں:

پہلی تنبیہ

> بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ دوسرے کا خاتم النبیین ہونا محال و ممتنع ہے مگر یہ امتناع لغیرہ ہوگا نہ بالذات! جس سے امکان ذاتی کی نفی نہیں ہوسکتی۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ وصف خاتم النبیین خاصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جو دوسرے پر صادق نہیں آسکتا۔ اور موضوع لہٗ اس لقب کا ذات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ عند الاطلاق کوئی دوسرا اس مفہوم میں شریک نہیں ہوسکتا پس یہ مفہوم جزئی حقیقی ہے۔ صـ۴۲

دوسری تنبیہ

> پھر جب عقل نے بہ تبعیت نقل خاتم النبیین کی صفت کے ساتھ ایک ذات کو متصف مان لیا تو اس کے نزدیک محال ہوگیا کہ کوئی دوسری ذات اس صفت کے ساتھ متصف ہو۔ اور بحسب منطوق لازم الوثوق مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَىَّ ابد الآباد تک کے لئے یہ لقب مختص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے ٹھہرا تو جزئیت اس مفہوم کی ابد الآباد تک کے لئے ہوگئی۔ کیونکہ یہ لقب قرآن شریف سے ثابت ہے جو بلاشک قدیم ہے۔ صـ۴۳

تیسری تنبیہ

> اب دیکھا جائے کہ مصداق اس صفت کا کب سے معین ہوا۔ سو ہمارا دعویٰ ہے کہ ابتدائے عالم امکاں سے جسم قسم کا بھی وجود فرض کیا جائے

ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت مختصہ کے ساتھ متصف ہیں۔ کیونکہ حق تعالیٰ اپنے کلام قدیم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین فرما چکا۔ اب کون سا ایسا زمانہ نکل سکے گا جو باری تعالیٰ کے صفت علم وکلام پر مقدم ہو۔ ص۴۷

چوتھی تنبیہ

غیرت عشق محمدی بڑی چیز ہے۔ جب اسے جلال آتا ہے تو ایک زلزلہ کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے لیکن اسے اپنے محبوب کی تنقیص ذرا بھی برداشت نہیں۔ مصنف کتاب باوجودیکہ بہت نرم طبیعت کے آدمی ہیں لیکن اس موقعہ پر ان کے قلم کا جلال دیکھنے کے قابل ہے۔ کسی اور خاتم النبیین کے امکان کے سوال پر ان کے ایمان کی غیرت اس درجہ بے قابو ہو گئی ہے کہ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے — میدان وفا میں عشق کو سربکف دیکھنا ہو تو یہ سطریں پڑھئے۔

مصنف کتاب، تحذیر الناس کے مباحث کا محاسبہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

اب ہم ذرا ان صاحبوں سے پوچھتے ہیں کہ اب وہ خیالات کہاں ہیں جو کل بدعۃ ضلالۃ پڑھ پڑھ کر ایک عالم کو دوزخ میں لے جا رہے تھے۔ کیا اس قسم کی بحث فلسفی بھی کہیں قرآن وحدیث میں وارد ہے؟ یا قرون ثلثہ میں کسی نے کی تھی — پھر ایسی بدعت قبیحہ کے مرتکب ہو کر کیا استحقاق پیدا کیا اور اس مسئلہ میں جب تک بحث ہوتی رہے گی اس کا گناہ کس کی گردن پر ہوگا؟

دیکھئے حضرت جریر کی روایت سے حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اسلام میں کوئی برا طریقہ نکالے تو اس پر جتنے لوگ عمل کرتے رہیں گے سب کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی (رواہ مسلم)

لکھتے لکھتے اس مقام پر عشق و ایمان کی غیرت نقطۂ انتہا کو پہنچ گئی ہے غیظ میں ڈوبے ہوئے ان کلمات کا ذرا تیور ملاحظہ فرمایئے! تحریر فرماتے ہیں۔

> بھلا جس طرح حق تعالیٰ کے نزدیک صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ویسا ہی اگر آپ کے نزدیک بھی رہتے تو اس میں آپ کا کیا نقصان تھا۔ کیا اس میں بھی کوئی شرک و بدعت رکھی تھی جو طرح طرح کے شاخسانے لگائے گئے۔
>
> یہ تو بتایئے کہ ہمارے حضرت نے آپ کے حق میں ایسی کونسی بدسلوکی کی تھی جو اس کا بدلہ اس طرح لیا گیا کہ فضیلت خاصہ بھی مسلّم ہونا مطلقاً ناگوار ہے۔ یہاں تک کہ جب دیکھا کہ خود حق تعالیٰ فرما رہا ہے کہ آپ سب نبیوں کے خاتم ہیں تو کمال تشویش ہوئی کہ فضیلت خاصہ ثابت ہوئی جاتی ہے۔ جب اس کے ابطال کا کوئی ذریعہ دینِ اسلام میں نہ ملا تو فلاسفۂ معاندین کی طرف رجوع کیا اور امکان ذاتی کی شمشیر دو دم (دو دھاری تلوار) ان سے لے کر میدان میں آ کھڑے ہوئے۔

پانچویں تنبیہ

> افسوس ہے اس دُھن میں یہ بھی نہ سوچا کہ معتقدین سادہ لوح کو اس خاتم فرضی کا انتظار کتنے کنوئیں جھنکائے گا۔ مقلدین سادہ لوح کے دلوں پر اس تقریر نامعقول کا اتنا اثر تو ضرور ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں کسی قدر زنگ پڑ گیا۔ چنانچہ بعض اتباع نے اس بنا پر الف لام خاتم النبیین سے یہ بات بنائی کہ حضرت صرف ان نبیوں کے خاتم ہیں جو گزر چکے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور کے بعد بھی انبیاء پیدا ہوں گے اور ان کا خاتم کوئی اور ہوگا۔

معاذ اللہ اس تقریر نے یہاں تک پہنچا دیا کہ قرآن کا انکار ہونے لگا۔ ذرا سوچئے تو کہ حضور کے خاتم النبیین ہونے کے سلسلے میں یہ سارے احتمالات حضور کے روبرو نکالے جاتے تو حضور پر کس قدر شاق گزرتا۔

چھٹی تنبیہ

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے جب حضور کے سامنے تورات کے مطالعہ کا ارادہ ظاہر کیا تھا تو اس پر حضور کی حالت کس قدر متغیر ہو گئی تھی کہ چہرۂ مبارک سے غضب کے آثار پیدا تھے۔ اور باوجود اس خلق عظیم کے ایسے جلیل القدر صحابی پر کیسا عتاب فرمایا تھا جس کا بیان نہیں۔ جو لوگ تقرب و اخلاص کے مذاق سے واقف ہیں وہی اس کیفیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ پھر یہ فرمایا کہ اگر خود حضرت موسیٰ میری نبوت کا زمانہ پاتے تو سوائے میرے اتباع کے ان کے لئے کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اب ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے صحابی با اخلاص کی صرف اتنی حرکت اس قدر ناگوار طبع غیور ہوئی تو کسی زید و عمر کی اس تقریر سے جو خود خاتمیت محمدی میں شک ڈال دیتی ہے حضور کو کیسی اذیت پہنچتی ہوگی۔ کیا یہ ایذا رسانی خالی جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝	جو لوگ ایذا دیتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو لعنت کرے گا اللہ ان پر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب۔

انوار احمدی صـ ۵۵

درودوسلام کی نورانی بحث

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف نے صفحۂ قرطاس پر علم وحکمت اور عشق وعرفان کے ایسے ایسے قیمتی جواہرات بکھیرے ہیں کہ ان کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہونے لگتی ہیں۔ چونکہ درودوسلام بارگاہِ رسالت میں تقرب کا ایک نہایت موثر ذریعہ ہے اس لئے مصنف کتاب نے اس بحث کو علمی نوادرات اور عقیدۂ واخلاص کے محرکات سے اتنا آراستہ کر دیا ہے کہ اس کے بے لاگ مطالعہ کے بعد دلوں کو والہانہ محبت کی وارفتگی سے بچا لینا بہت مشکل ہے۔ الا آنکہ کسی کے دل ہی پر سیہ بختی کی مہر لگ گئی ہو۔ حضرت مصنف نے درودوسلام کے سلسلے میں بحث کے اتنے نئے نئے گوشے پیدا کئے ہیں کہ ان کے ذہنی تجسس اور قوت فکر کی نکتہ آفرینی پر حیرت ہوتی ہے۔

آنے والے صفحات کا مطالعہ کرنے کے بعد آپ واضح طور پر محسوس کریں گے کہ حضرت مصنف اس طبقے سے پوری طرح باخبر ہیں جو درودوسلام کا مخالف ہے یا دوسرے لفظوں میں درودوسلام کو فروغ دینے والی روایات ومحرکات کا دشمن ہے۔

درود شریف کے فوائد وبرکات اور فضائل ومناقب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت مصنف رقمطراز ہیں:۔

> درود شریف کی برکت سے فقر وتنگدستی دور ہوتی ہے۔ پردۂ غیب سے رزق کے بہت سے دروازے کھلتے ہیں۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے بہت قریب ہوجاتا ہے۔ درودوسلام ایک مرشد کی طرح قلوب کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ورد رکھنے والے کو گناہوں کی آلودگی اور نفس کی شرارت سے محفوظ رکھتا ہے

اس کا ثواب پہاڑوں کے برابر صدقہ دینے اور غلام آزاد کرنے کے مثل ہے۔ درود شریف گناہوں کو مٹاتا ہے اور نیکیوں کے ذخیرے کو بڑھاتا ہے۔ درود پڑھنے والا مرنے سے پہلے دیکھ لیتا ہے کہ جنت میں اس کا کہاں ٹھکانہ ہے۔ قیامت کی ہولناک گھڑی میں درود شریف پڑھنے والے کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا اور ہول اور دہشت سے نجات پائے گا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و قربت اسے میسر آئے گی۔ اور آخرت کی سرفرازی اور کامیابی اسے حاصل ہوگی۔ درود شریف کا ورد رکھنے والا قبر کی وحشت سے محفوظ رہے گا اور حق تعالیٰ کے غضب سے امن پائے گا۔ (انوار احمدی ص ۵۴)

درود شریف کے اہتمام کی ضرورت

اس عنوان کے تحت حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ کو منظور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک کثرت سے ہو۔ اسی لئے جملہ مومنین کو درود شریف پڑھنے کا امر فرمایا۔ اور وہ بھی اس خوبی کے ساتھ کہ میں خود بھی اس کام میں مشغول ہوں اور تمام ملائکہ بھی مشغول ہیں لہذا اے ایمان والو تمہیں بھی چاہئے کہ تم بھی اسی کام میں مشغول رہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب خود خداوند قدیر اور اس کے تمام فرشتے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت درود بھیجتے ہیں تو بطریق اولیٰ تمہیں چاہئے کہ پوری جانفشانی اور دلدہی کے ساتھ تم اس کام میں مشغول رہو کیونکہ تم اس نبی کے امتی بھی ہو اور اس کے احسان کے نیچے تمہارا بال بال دبا ہوا بھی ہے۔

امت کی مغفرت و نجات کے لئے اگر اپنے رسول کے گریۂ شب

اور مناجات سحر کا شکر یہ تم پورے طور پر ادا نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو کرو کہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہو۔ بڑے شرم کی بات ہے کہ ایک طرف امتی ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور دوسری طرف ان کے ذکر سے گریز کا راستہ بھی تلاش کرتے ہو۔

اس کے بعد مصنف کتاب نے درود شریف کے فضائل پر دو حیرت انگیز اور ایمان افروز حدیثیں پیش کی ہیں۔

فضائلِ درود شریف پر دو ایمان افروز حدیثیں

پہلی حدیث

کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جبرئیل امین نے مجھے خبر دی ہے کہ جو امتی آپ پر درود پڑھتا ہے اس کے بدلے میں حق تعالیٰ دس نیکیاں لکھتا ہے اور اس کے دس گناہ مٹاتا ہے اور دس بار اس کے درجے بلند کرتا ہے اور ایک فرشتہ درود پڑھنے والے کے حق میں وہی الفاظ کہتا ہے جو وہ آپ کے حق میں کہتا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ وہ فرشتہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے اسی وقت سے وہ فرشتہ اس کام پر مقرر ہے کہ آپ کا جو امتی آپ پر درود پڑھے وہ فرشتہ جواب میں کہے کہ تجھ پر بھی خدا اپنی رحمت نازل فرمائے۔

فائدہ

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب ایک عجیب و غریب نکتہ ارشاد فرماتے ہیں۔

اب دیکھئے درود شریف پڑھنے کا حکم ۲ھ میں صادر ہوا لیکن درود پڑھنے کا صلہ دینے کے لئے وہ فرشتہ پہلے ہی سے موجود ہے۔
اس بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں درود شریف

کی کیسی قدر و قیمت ہے اور اس کی عظمتِ شان کے اظہار کے لئے
حق تعالیٰ نے کتنا اہتمام کیا ہے۔ اور اس حدیث کے مضمون سے اس بات
کا بھی پتہ چلتا ہے کہ حکم سے پہلے درود شریف پڑھنے والے بھی موجود ہونگے
اور وہ فرشتے ہیں۔ (ص۵۸)

دوسری حدیث

سونے کا قلم چاندی کی دوات، اور نُور کا کاغذ

مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں کہ

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں ایک بزرگ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ وہ آنکھیں بند ہوئے درود شریف پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران انھیں محسوس ہوا کہ جو درود شریف وہ پڑھ رہے ہیں کوئی لکھنے والا اسے کاغذ پر لکھ رہا ہے جب انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہوگیا۔

اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث کنز العمال میں حضرت دیلمی کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے جس کے راوی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخصوص فرشتے ہیں جو جمعہ کی رات اور دن کے وقت آسمان سے نازل ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں سونے کا قلم، چاندی کی دوات اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

اس حدیث کی عربی عبارت یہ ہے:

بِاَیْدِیْهِمْ اَقْلَامٌ مِّنْ ذَهَبٍ وَدَوِیٌّ مِّنْ فِضَّةٍ وَقَرَاطِیْسُ مِنْ نُوْرٍ لَا یَکْتُبُوْنَ اِلَّا الصَّلٰوةَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔	ان کے ہاتھوں میں سونے کے قلم چاندی کی دواتیں اور نور کے کاغذ ہوتے ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا جانے والا درود شریف لکھتے رہیں۔

درود شریف کا ایک رقت انگیز واقعہ

مصنف کتاب نے طبرانی کے حوالے سے ایک نہایت رقت انگیز واقعہ نقل کیا ہے جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مشہور صحابی حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن صبح کے وقت ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھر سے نکلے جب مدینے کے ایک چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے سامنے سے چلا آرہا ہے۔ جب وہ حضور کے قریب پہنچا تو اس طرح سلام عرض کیا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ حضور نے اس کے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔

اسی درمیان ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کیا! یا رسول اللہ یہ دیہاتی میرا اونٹ چرا کر لئے جا رہا ہے۔ اس پر اونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی جسے سنتے ہی ارشاد فرمایا کہ تو میرے سامنے سے دفع ہو جا ——— اونٹ خود گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دیہاتی سے فرمایا کہ جس وقت تو میری طرف آرہا تھا اس وقت تو کیا پڑھ رہا تھا۔ اس نے عرض کیا میرے باپ آپ پر قربان ہوں۔ اس وقت میں درود شریف پڑھ رہا تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ، اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا یَبْقٰی مِنَ السَّلَامِ شَیْءٌ، اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الْبَرَکَۃِ شَیْءٌ، اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الرَّحْمَۃِ شَیْءٌ۔

یہ سن کر حضور نے ارشاد فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ وصول کرنے کے لئے آسمانوں سے اتنے فرشتے نازل ہوئے کہ مدینہ کے آسمان کا سارا افق فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث سے مصنف کتاب نے استدلال کیا ہے کہ درود شریف پڑھنے کے وقت

آسمان سے فرشتے نازل ہوتے ہیں اور حضور کو پڑھنے والے کے منہ سے درود شریف کے نکلے ہوئے الفاظ تک نظر آتے ہیں۔

حضور کے دربار میں درود وسلام کس طرح پہنچتا ہے

مصنف کتاب نے اس عنوان کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں تین طریقوں سے درود وسلام پہنچتا ہے۔

پہلا طریقہ

یہ ہے کہ رحمت کے فرشتے منہ سے نکلے ہوئے درود وسلام کے الفاظ لے کر عرش الٰہی کی طرف پرواز کرتے ہیں۔ راستے میں جس فرشتے پر بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ کہتا ہے۔
صَلُّوا عَلٰی قَائِلِهَا كَمَا صَلّٰی عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ (القول البدیع سکن الفلا)
یعنی اس درود پڑھنے والے کے لئے بھی اسی طرح رحمت کی دعا کرو جس طرح اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا ہے۔
جب بارگاہ رب العزت میں وہ درود وسلام پیش کرتے ہیں تو حکم ہوتا ہے:
اِذْهَبُوْا بِهَا اِلٰی قَبْرِ عَبْدِیْ یَسْتَغْفِرْ لِقَائِلِهَا وَیَقَرُّ بِهَا عَیْنَهٗ
(رواہ الایلمی عن ام المومنین عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا)
یعنی اس درود کو میرے محبوب کی قبر شریف کی طرف لے جاؤ اور ان کے سامنے پیش کرو تاکہ وہ درود پڑھنے والے کے لئے دعائے مغفرت کریں اور درود شریف کے ذریعہ اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔
یہ حدیث نقل کرنے کے بعد مصنف کتاب تحریر فرماتے ہیں:

> اس اہتمام اور فضل کو دیکھئے کہ قبل اس کے کہ ہدیۂ درود بارگاہ مرجع عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہو، حق تعالیٰ صرف بہ نظر عزت افزائی اسے اپنی بارگاہ میں طلب فرماتا ہے۔ اور اس ارشاد کے ساتھ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں روانہ فرماتا ہے کہ اس کے بھیجنے والے

کو بدعائے خیر یاد فرمائیں ۔ سبحان اللہ! عنایت واکرام کا کیسا عظیم الشان ذریعہ قائم کیا گیا کہ اب تک کسی کو نصیب ہوا کہ ہم لوگ درود پڑھیں تو ہمارا ذکر خیر عالم ملکوت میں ہونے لگے۔ ص ۶۶

دوسرا طریقہ

یہ ہے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم درود وسلام کا تحفہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں براہِ راست خوب پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں حضرت عبد الرحمٰن ابنِ عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے اس مضمون کی ایک حدیث نقل فرمائی ہے حضور ارشاد فرماتے ہیں۔

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِذَا مِتُّ اِلَّا جَاءَنِي سَلَامُهُ مَعَ جِبْرَئِيلَ وَيَقُولُ يَا مُحَمَّدُ هٰذَا فُلَانُ ابْنُ فُلَانٍ يَقْرَأُ عَلَيْكَ السَّلَامَ فَاَقُولُ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ

میری وفات کے بعد تم میں سے جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجے گا اسے جبریل امین اپنے ساتھ لے کر میرے پاس حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ فلاں ابن فلاں نے آپ پر یہ سلام بھیجا ہے میں جواب میں کہوں گا کہ اس پر بھی سلام اور اللہ کی رحمت وبرکت نازل ہو۔

ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ خاص ایک فرشتہ اسی خدمت پر مامور ہے کہ وہ روئے زمین کے طول وعرض میں پیش کئے جانے والے درود وسلام کا تحفہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائے۔ جیسا کہ کنز العمال میں امام طبرانی کی روایت سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل ہوا ہے جس کے اصل راوی حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ حضور نے انھیں مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

يَا عَمَّارُ اِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا اَعْطَاهُ سِمَاعَ الْخَلَائِقِ وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِي اِذَا مِتُّ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَيْسَ

اے عمار اللہ کا ایک فرشتہ ہے جسے اللہ نے جملہ مخلوقات کی آواز سننے کی قدرت عطا کی ہے اور وہ میرے انتقال کے بعد میری

اَحَدٌ مِنْ اُمَّتِی صَلّٰی عَلَیَّ صَلٰوۃً اِلَّا یُسَمِّیْ بِاسْمِہٖ وَاِسْمِ اَبِیْہِ قَالَ یَامُحَمَّدُ صَلّٰی فُلَانٌ عَلَیْکَ کَذَا وَکَذَا فَیُصَلِّی الرَّبُّ عَلٰی ذَالِکَ الرَّجُلِ بِکُلِّ وَاحِدَۃٍ عَشْرًا۔

قبر پر قیامت تک کھڑا رہے گا اور میرا جو امتی مجھ پر درود پڑھے گا وہ اس کے نام اور ولدیت کے ساتھ اس کا بھیجا ہوا درود مجھ تک پہنچائے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اس کے ہر درود کے بدلے میں اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

کنزالعمال میں اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی نقل ہوئی ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

اَکْثِرُوْا الصَّلٰوۃَ عَلَیَّ فَاِنَّ اللّٰہَ وَکَّلَ بِیْ مَلَکًا عِنْدَ قَبْرِیْ فَاِذَا صَلّٰی رَجُلٌ مِنْ اُمَّتِیْ قَالَ ذَالِکَ الْمَلَکُ یَامُحَمَّدُ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ صَلّٰی عَلَیْکَ السَّاعَۃَ

(دیلمی)

مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کہ کہ اللہ نے ایک فرشتہ میری قبر پر مقرر کیا ہے۔ جب میرا کوئی امتی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو وہ فرشتہ کہتا ہے کہ اے محمد فلاں کے بیٹے فلاں نے ابھی آپ پر درود پڑھا ہے۔

تیسرا طریقہ

یہ ہے کہ ہر امتی کا درود و سلام حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اپنے گوشِ مبارک سے سنتے ہیں۔ جیسا کہ امام طبرانی کے حوالے محدث کبیر ابن حجر مکی نے اپنی مشہور کتاب الجواھر المنظم میں حضور کا یہ ارشاد نقل فرمایا ہے:

لَیْسَ مِنْ عَبْدٍ یُصَلِّیْ عَلَیَّ اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُہٗ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَبَعْدَ وَفَاتِکَ

جو بندہ مجھ پر درود پڑھتا ہے اس کی آواز مجھ تک پہنچ جاتی ہے صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کی

قَالَ وَبَعْدَ وَفَاتِیْ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔

وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ فرمایا ہاں میری وفات کے بعد بھی کیونکہ اللہ نے انبیاء کے جسموں کا کھانا زمین پر حرام کر دیا ہے۔

سماعت نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال

حضرت فاضل مصنف یہ ساری حدیثیں نقل کرنے کے بعد سماعتِ نبوی پر ایک فکر انگیز استدلال کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

جب اتنی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ بعض فرشتوں کے پاس قرب و بعد یکساں ہیں اور وہ آنِ واحد میں ہر شخص کی آواز برابر سنتے ہیں تو اب اہلِ ایمان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطۂ علمی میں شک کا کیا موقع ہوگا۔ اس لئے کہ مبنیٰ شک و انکار کا یہی تھا کہ اس میں شرک فی الصفۃ لازم آتا ہے (یعنی اگر حضور کے بارے میں دور سے سننے کا عقیدہ رکھا جائے تو خدا کے ساتھ برابری لازم آجائے گی لیکن جب فرشتے دور سے ہر شخص کا درود و سلام سن لیتے ہیں تو ثابت ہوا کہ یہ صفت خدا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اس نے یہ صفت اپنی مخلوق کو بھی عطا کی ہے) پھر جب آنحضرت کے خدام میں یہ صفت بطریقِ اولیٰ اور بدرجہ اتم موجود ہو۔ جیسا کہ حدیث ماسبق میں خود حضور نے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کی آواز خود سنتا ہوں تو حضور کے احاطۂ علمی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔ (ص۵۰)

ایک شبہ کا نہایت نفیس جواب

فاضل مصنف نے ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے نہایت شاندار بحث کی ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب اپنے غلاموں کا درود وسلام حضور خود سنتے ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ لوگوں کا درود وسلام پہنچانے کے لئے پھر فرشتے کیوں مقرر کئے گئے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر حق تعالیٰ کے حضور میں بھی تو بندوں کے اعمال بذریعۂ ملائک ہی پیش ہوتے ہیں حالانکہ وہ عالم الغیب ہے۔ بندوں کے سارے اعمال وافعال سے وہ باخبر ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ بذریعۂ ملائک اعمال پیش کئے جانے کی وجہ لاعلمی نہیں بلکہ سطوت شاہانہ اور شوکت حاکمانہ کا اظہار ہے۔ یہی حکمت فرشتوں کے ذریعہ درود وسلام کی پیشی میں بھی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حضور کی قبر شریف کے پاس بھی اگر کوئی شخص درود وسلام پیش کرتا ہے تو اسے بھی حضور تک فرشتے ہی پہنچاتے ہیں اس سے بھی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وشوکت کا اظہار مقصود ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ۔

مَا مِنْ عَبْدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي اِلَّا وَكَّلَ اللهُ بِهٖ مَلَكًا يُبَلِّغُنِيْ وَكُفِيَ اَمْرُ آخِرَتِهٖ وَدُنْيَاهُ وَكُنْتُ بِهٖ شَهِيْدًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

(کنز العمال)

جو بندہ بھی میری قبر کے پاس مجھے سلام کرتا ہے۔ اس کا سلام مجھ تک وہ فرشتہ پہنچاتا ہے جو اس کام کے لئے مقرر ہے۔ اس کا سلام دنیا وآخرت کی جملہ مہمات کے لئے کافی ہے اور میں قیامت کے دن اس پر گواہی دوں گا۔

اس کے علاوہ سلام پہنچانے پر بہت سے فرشتے معمور ہیں جو ہمیشہ اسی تلاش میں پھرا کرتے ہیں۔ اور جہاں کسی نے سلام عرض کیا فوراً حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جیسا کہ مسالک الحنفا میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث منقول ہے:

قال اِنَّ لِلّٰهِ مَلٰٓئِكَةً سَيَّاحِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ عَنْ اُمَّتِي السَّلَامَ۔

(احمد، نسائی، دارمی، بیہقی)

اللہ کے بہت سے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین کا چکر لگاتے رہتے ہیں اور میرا جو امتی مجھ پر سلام عرض کرتا ہے وہ اس کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ جیسے درود شریف پہنچانے کے دو ذریعے ہیں اسی طرح سلام پہنچانے کے بھی دو ذریعہ ہیں۔ ایک حضرت جبریل دوسرے یہ ملائکہ سیاحین۔ اس کے بعد حضرت مصنف نے درود شریف کی فضیلت میں دو حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو نہایت عظیم الشان ہیں۔

پہلی حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص میرے حق کی تعظیم وتکریم کی نیت سے مجھ پر درود پڑھتا ہے حق تعالیٰ اُس کلمہ سے ایک ایسا عظیم الجثہ فرشتہ پیدا کرتا ہے جس کا ایک بازو مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا بازو مغرب میں اور پاؤں تحت الثریٰ میں اور عرش الٰہی کے نیچے اس کی گردن جھکی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ میرے اس بندے کے حق میں تو بھی رحمت ومغفرت کی دعا مانگ جس طرح اس نے میرے پیارے نبی پر درود بھیجا ہے۔ چنانچہ وہ فرشتہ قیامت تک اس بندے کے حق میں رحمت ومغفرت کی دُعا کرتا رہے گا۔

(روایت کیا اس حدیث کو دیلمی نے مسند الفردوس میں اور ابن شاہین نے ترغیب میں)

دوسری حدیث

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حق تعالیٰ نے مجھے وہ رتبے دیئے ہیں جو کسی نبی کو نہیں ملے۔ اور مجھ کو سارے نبیوں پر فضیلت دی۔ اور میری اُمت کے لئے اعلیٰ درجے مقرر فرمائے کہ وہ مجھ پر درود پڑھتے ہیں اور متعین فرمایا میری قبر کے پاس ایک فرشتہ جس کا نام منطوش ہے وہ اتنا طویل القامت اور عظیم الجثہ ہے کہ اس کا سر عرشِ الٰہی کے نیچے اور اس کا پاؤں تحت الثریٰ میں ہے۔ اور اس کے اسّی ہزار بازو ہیں، اسّی ہزار پَر ہیں۔ اور پَر کے نیچے اسّی ہزار رونگٹے ہیں۔ اور ہر رونگٹے کے نیچے ایک زبان ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرتا ہے۔ اور اس شخص کے حق میں دعائے مغفرت کرتا ہے جو میرا اُمتی مجھ پر درود پڑھے۔ یہ حدیث حضرت معاذ ابن جبل سے مروی ہے۔

(روایت کیا اسے ابن بشکوال نے)

ان حدیثوں کو نقل کرنے کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

شاید اتنے بڑے فرشتوں کا وجود مستبعد سمجھا جائے تو میں

سوال کروں گا کہ استبعاد کی وجہ کیا ہے ؟ کیا اللہ تعالیٰ ایسے عظیم الجثہ فرشتوں کے پیدا کرنے سے قاصر ہے۔ قاصر کہنا تو عقلاً اور نقلاً دونوں اعتبار سے باطل اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کی قدرت تخلیق کے لئے چھوٹی سی چھوٹی اور بڑی سے بڑی مخلوق دونوں برابر ہے۔ اُس کی شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ کر کے لفظ کُن کہا اور وہ چیز فوراً وجود میں آگئی۔ (صـ۸۰)

صلوٰۃ کے معنیٰ کے تعین میں ایک شاندار علمی بحث

حضرت فاضل مصنف نے اپنی کتاب میں صلوٰۃ کے معنی کی تفسیر میں ایک نہایت شاندار علمی بحث فرمائی ہے جو اہلِ ایمان کے لئے قابلِ دید ہے۔

پہلا معنیٰ

خطیب شربینی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لغت میں صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اَیْ اُدْعُ لَهُمْ آپ ان پر صلوٰۃ بھیجئے یعنی ان کے لئے دعا کیجئے۔ اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ بیشک آپ کی صلوٰۃ یعنی آپ کی دعا ان کے لئے تسکین کا موجب ہے۔ اور بخاری شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الْمَلٰئِكَةُ تُصَلِّیْ عَلٰی اَحَدِكُمْ مَادَامَ فِی الصَّلٰوۃِ مَالَمْ یُحْدِثْ تَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص بھی جب تک درود پڑھنے میں مصروف رہتا ہے جب تک کہ وہ بے وضو نہ ہو اس کے حق میں فرشتے رحمت و مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

اس حدیث پاک اور آیاتِ قرآنی سے واضح ہوگیا کہ صلوٰۃ کے معنی دعا کے ہیں

دوسرا معنیٰ

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر صلوٰۃ کے معنی دُعا کے لئے جائیں تو ایسی صورت میں اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ کے معنی یہ ہوں گے کہ اے اللہ تو دعا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ ظاہر ہے کہ یہ معنیٰ خدا کی جناب میں صادق نہیں آتے کیونکہ دُعا مانگنا بندوں کا کام ہے نہ کہ خدا کا۔ اس لئے صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے ہیں۔ جیسا کہ شرح مواہب لدنیہ میں ہے۔ قال المبرد اَلصَّلٰوۃُ مِنَ اللّٰهِ اَلرَّحْمَةُ وَ الْاِنْعَام۔ یعنی اللہ کی طرف سے صلوٰۃ کے معنی رحمت اور انعام کے ہیں۔ امام سیوطی نے اپنی تفسیر درمنثور میں هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ کی تفسیر میں ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ۔ میری صلوٰۃ سے مراد میری رحمت ہے جو میرے غضب پر غالب ہے۔

اور امام قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے الصلوة من الله عزوجل هی رحمة ومن الملئكة الاستغفار ومن الامة الدعاء۔ جب صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہوگی تو اس سے رحمت مراد ہوگی اور جب ملئکہ کی طرف ہوگی تو اس سے استغفار مراد ہوگا اور جب امت کی طرف ہوگی تو اس سے دُعا مراد ہوگی۔

تیسرا معنیٰ

صلوٰۃ کے تیسرے معنیٰ تعظیم وثنا کے ہیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے:

قال ابو العالية صَلٰوۃُ اللّٰهِ ثَنَاءُهٗ عَلَیْهِ عِنْدَ الْمَلٰٓئِكَةِ

حضرت ابو العالیہ نے کہا کہ نبی پر اللہ کی صلوٰۃ سے مراد نبی کی ثناء بیان کرنا ہے فرشتوں کے مجمع میں۔

امام قسطلانی کی صراحت کے مطابق یہی معنیٰ ابن قیم کے نزدیک بھی پسندیدہ ہیں۔ امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام میں کئی دلیلیں اس بات پر قائم کی ہیں کہ صلوٰۃ کے معنیٰ رحمت کے نہیں ہوسکتے ـــــ ان کے دلائل کی تفصیل یہ ہے۔

پہلی دلیل

قرآن مجید میں اللہ تعالٰی ارشاد فرماتا ہے۔ أُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے صلوات ہیں اور رحمت ہے۔ یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور یہ بات اہلِ زبان کے نزدیک مسلّم ہے کہ عطف مغائرت کو چاہتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے معنی رحمت کے نہیں ہو سکتے۔

دوسری دلیل

علماء کی صراحت کے مطابق صلوٰۃ انبیاء و رسل کے ساتھ خاص ہے اور ان کے واسطہ سے عامۂ مومنین بھی اس میں شامل ہیں لیکن رحمت کا مفہوم اتنا عام ہے کہ وہ مومن و غیر مومن، انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ صلوٰۃ اور رحمت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

تیسری دلیل

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو جن لوگوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنا واجب ہے چاہیئے کہ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ سَيِّدَنَا مُحَمَّدًا وَّآلَ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ رحمت نازل فرما ہمارے آقا محمد اور ان کی آل پر کہنے سے واجب ادا ہو جائے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ جب تک اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ نہ کہا جائے واجب ادا نہ ہوگا۔

چوتھی دلیل

عرب کے عرف کے مطابق اگر کسی نے کسی پر رحم کر کے کھانا کھلا دیا تو زبان عرب میں اسے رَحِمَهٗ کہا جاتا ہے۔ یعنی اس نے اس پر رحم کیا۔ صلی اللہ عَلَيْهِ نہیں کہا جا سکتا۔ دیکھئے یہاں رحمت کا مفہوم صادق آتا ہے لیکن صلوٰۃ کا نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ

صلوٰۃ اور رحمت دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

پانچویں دلیل

اگر صلوٰۃ کے معنی رحمت کے ہوں تو آیۃ شریفہ ان اللہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ کے معنیٰ یہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت نازل کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر لہذا اے ایمان والو تم بھی دعا کرو ان کے لئے۔ وجدان سلیم گواہی دیتا ہے کہ اس معنیٰ کے لحاظ سے کلام کے اوّل و آخر کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے۔ بخلاف اس کے اگر صلوٰۃ کے معنی تعظیم وثنا کے ہوں تو آیت کا مضمون مربوط ہوجائے گا۔ اللہ اور فرشتوں کی ثناء تو ظاہر ہے لیکن مومنین کی صلوٰۃ بصورت دعا بھی ثناء کو متضمن ہوگی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ سے ثناء طلب کرنا بھی ایک طرح کی ثناء ہے۔

چوتھا معنیٰ

بعض لوگوں نے کہا کہ صلوٰۃ سے مراد مغفرت ہے جیسا کہ امام قسطلانی اپنی کتاب مسالک الحنفاء میں تحریر فرماتے ہیں انَّ صَلٰوۃَ اللہِ مَغْفِرَتُہٗ۔ یعنی اللہ کی صلوٰۃ سے مراد اللہ کی مغفرت ہے۔ امام ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کی ایک حدیث بھی نقل فرمائی ہے جس سے اس دعوے پر انھوں نے استدلال کیا ہے۔

فرماتے ہیں کہ جب آیت کریمہ اِنَّ اللہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا۔

ھٰذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَاہُ	سلام کا طریقہ تو ہم جانتے ہیں اب صلوٰۃ
فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ وَقَدْ غَفَرَ اللہُ	کا طریقہ کیا ہوگا جبکہ خداوند قدوس نے
لَکَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ	آپ کے سارے اگلے پچھلے گناہ
وَمَا تَاَخَّرَ قَالَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ	بخش دئے۔ فرمایا اس حکم کی تعمیل میں
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ۔	اللّٰھم صل علی محمد کہا کرو۔

اس حدیث میں صحابۂ کرام کے سوال سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے صلوٰۃ کے لفظ سے مغفرت کے معنیٰ سمجھا۔ اس لئے انھیں تردد ہوا کہ مغفرت کرنے کا کام تو اللہ تعالیٰ کا ہے پھر بندوں کو مغفرت کا حکم دینے کا کیا مطلب ہوگا۔ یا اس لئے انھیں تردد ہوا کہ سورۂ فتح کی

مشہور آیت کریمہ کے ذریعہ مغفرت کا پروانہ تو حضور کو مل چکا اب دوبارہ مغفرت کا مطلب کیا ہوگا۔ اس لئے صلوٰۃ کے امتثال میں انھیں سوال کرنے کی ضرورت پیش آئی اور حضور کے فرمان کے بعد اسے امتثالاً لام صحابۂ کرام نے قبول کرلیا۔

ایک ایمان افروز حدیث

نوید مغفرت کے سلسلے میں حضرت فاضل مصنف نے قاضی عیاض کی کتاب الشفاء سے ایک ایسی روح پرور حدیث نقل فرمائی ہے کہ جس سے دل کی بیماریوں کو شفا ملتی ہے۔ اور حضور کی جلالتِ شان مہر نیمروز کی طرح سب پر روشن ہوجاتی ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ایک موقعہ پر جبکہ میں رب العزۃ کی بارگاہ میں حاضر تھا۔ ارشاد ہوا اے محمد! کچھ سوال کرو۔ میں نے عرض کیا میں کیا سوال کروں اے میرے پروردگار! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور حضرت موسیٰ کو اپنی ہمکلامی کا شرف بخشا، اور حضرت نوح کو برگزیدہ کیا۔ اور حضرت سلیمان کو ایسی سلطنت عطا فرمائی کہ ان کے بعد ایسی سلطنت کسی اور کو سزاوار نہیں۔ ارشاد ہوا جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے وہ ان سب سے بہتر ہے۔

میں نے تمہیں کوثر دیا، اور تمہارے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملایا کہ وہ آسمان میں ہر طرف پکارا جاتا ہے۔ اور تمہارے لئے اور تمہاری امت کے لئے میں نے ساری روئے زمین کو طیب و طاہر بنایا اور تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیئے اب تم ایک مغفور کی شان کے ساتھ زمین پر چل رہے ہو۔ تم سے پہلے ان عنایات بیکراں کا کوئی بھی حامل نہیں بن سکا۔ اور تمہاری امت کے دلوں کو میں نے اپنی جلوہ گاہ بنایا اور تمہیں شفاعت کے اس منصب جلیل پر فائز کیا کہ یہ درجہ اب تک کسی نبی کو نہیں مل سکا۔

اس مہکتی ہوئی اور چمکتی ہوئی حدیث کی خوشبو سے آپ کے قلوب معطر اور آپ کی آنکھیں منور ہوگئی ہوں تو اب پھر اُسی سلسلۂ بحث کی طرف پلٹ آیئے کہ صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں۔

فیصلہ کُن بات

ان ساری تفصیلات کے بعد حضرت فاضل مصنف صلوٰۃ کے معنی کے سلسلے میں ایک فیصلہ کن بات تحریر فرماتے ہیں۔

> ان سب اقوال سے مقصود یہ ہے کہ کمال تعظیم اور خصوصیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حق تعالیٰ کے نزدیک سمجھی جاوے اور علوئے شان اور رفعت منزلت درود شریف کی ثابت ہو۔ یہاں تک کہ جنھوں نے صلوٰۃ سے رحمت مُراد لی ہے اُن کا بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ رحمت عامہ ہے۔ بلکہ وہ رحمت مُراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص کی گئی ہے۔ جیسا کہ زرقانی نے اسی قسم کا جواب اس اعتراض کا دیا جو صاحبِ مواہب نے صلوٰۃ و رحمت میں مغائرت کو ثابت کرنے کے لئے آیت کریمہ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ سے استدلال کیا ہے۔ ۸۸

ایک بصیرت افروز نکتہ

حضرت فاضل مصنف نے حکم صلوٰۃ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم احکام خداوندی کا جائزہ لو تو تم پر یہ حقیقت واضح ہو گی کہ جہاں جہاں بھی کوئی حکم دیا گیا ہے اس کی تعمیل میں بندوں کی طرف سے کسی فعل کا صدور ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر نماز کے حکم کی تعمیل میں قیام رکوع اور سجدے کئے جاتے ہیں اور روزہ کے حکم کے امتثال میں بھوکے اور پیاسے رہتے ہیں۔ بخلاف درود شریف کے کہ حکم صلوٰۃ کی تعمیل میں کوئی کام نہیں کیا جاتا بلکہ اسی لفظ کو خدا کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اے اللہ تو ان پر صلوٰۃ بھیج۔

یہ بلاشبہ ایسا ہی ہے جیسے بنی اسرائیل نے قتال کے حکم کے جواب میں خداوند قدوس

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ کہا تھا۔ تم دونوں خود لڑو ہم تو یہاں بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے۔

لیکن یہاں بنی اسرائیل کی طرح باغیانہ سرکشی یا حکم کی تعمیل سے انکار نہیں ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ "صلوٰۃ علی النبی" کا مطلب جب رفع درجات اور اعتنائے شان مصطفےٰ ہے تو بندوں میں اس کا یارا کہاں! اب حکم سے عہدہ برآ ہونے کی صورت سوا اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے بندے خود رب العزت سے درخواست کریں کہ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ اے اللہ! تو ہی اپنے پیارے نبی کی شان بلند فرما اور ان کی عزت و تکریم میں بے پایاں ترقی عطا کر کہ تو ہی اس کی قدرت بھی رکھتا ہے اور اپنے نبی کے رتبے سے بھی واقف ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی کے علمی نکتہ سے استفادہ

حضرت فاضل مصنف نے تفسیر تاویلات القرآن کے حوالہ سے امام ابو منصور ماتریدی کا ایک علمی نکتہ سپرد قلم فرمایا ہے۔

امام موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے نزدیک ہر چیز کی ایک حقیقت ثابت و موجود ہے لیکن اُن میں سے بعض چیزوں کا وجود محسوس ہوتا ہے اور بعض چیزوں کا وجود عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ اور ہر شے کی حقیقت اپنا ایک مخصوص تشخص رکھتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ دوسری شے کی حقیقت سے ممتاز ہوتی ہے۔

مثال کے طور پر احادیث کی صراحت کے مطابق موت کی صورت دنبے کی ہے جو قیامت کے دن ذبح کی جائے گی۔ اور نیل و فرات نام کی دو نہریں جو زمین پر بہتی ہیں ان کا منبع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے قریب بچشم خود ملاحظہ فرمایا۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ کلمۂ الحمد للہ قیامت کے دن میزان کو بھر دے گا اور کلمہ سبحان اللہ اور کلمۂ اللہ اکبر زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور نماز ایک نور ہے۔

اسی طرح حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس زمین کے خزانوں کی کنجیاں لائی گئیں۔ حضرت جبریل امین چت کبرے رنگ کے گھوڑے پر لاد کر میرے پاس آئے۔ یہ ساری چیزیں وہ ہیں جن کا وجود حق تعالیٰ کے نزدیک ثابت و موجود ہے لیکن ان کا مشاہدہ

عام انسانوں کی قوت ادراک سے بالاتر ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد مصنف کتاب نے اپنے ایمانی احساسات کی جوت جگاتے ہوئے اپنے علمی کمالات کے وہ جواہرات بکھیرے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو کر رہ جاتیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> اسی طرح درود شریف کا حال بھی سمجھنا چاہئے کہ وہ ایک ممتاز شے ہے اور وجود اس کا اس عالم کے جنس سے نہیں ہے اور نہ ادراک اسس کا حواس جسمانیہ سے ہوسکتا ہے۔ بلکہ وہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت مقدسہ سے تعلق رکھتا ہے اور تعجب نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ بھی لیتے ہوں۔ کیونکہ ملکوت و لاہوت اور دوسرے عالم کی اشیاء جن تک ہماری قوت و ادراک کی رسائی دشوار ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس و مشاہد تھیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا چاہئے کہ قیامت کے دن کی اشیاء کو حضور یہاں سے ملاحظہ فرماتے تھے (صـ۹۲)

اپنے اس دعوے پر کہ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ جن تک ہماری قوت ادراک کی رسائی نہیں ہو سکتی لیکن حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غیبی قوت ادراک سے ان کا مشاہدہ فرماتے ہیں، حضرت فاضل مصنف نے دلائل کے انبار لگا دے ہیں۔ اب ذیل میں اُن دلائل کے مطالعہ سے اپنے ایمان کی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی پہلی دلیل

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں خانۂ کعبہ کے قریب تھا کہ بیت المقدس میرے سامنے پیش کیا گیا۔ اب اس کے بعد حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔

فَجَعَلْتُ اَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاِلٰی مَافِیْہِ وَنَعَتُّ رَأَیْتُ جَھَنَّمَ وَاَھْلَھَا فِیْھَا وَاَھْلَ الْجَنَّۃِ	میں اُسے اور اس کے اندر کی چیزوں کو دیکھنے لگا۔ اور میں نے جہنم اور اہل جہنم کو بھی دیکھا۔ اسی طرح میں نے جنت اور اہل جنت کو بھی دیکھا قبل اس کے

فِی الْجَنَّۃِ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلُوْھَا کَمَا اَنْظُرُ اِلَیْکُمْ۔ (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

کہ وہ جنت میں داخل ہوں۔ اوران ساری چیزوں کو میں نے بالکل اسی طرح دیکھا جیسے تمہیں دیکھ رہا ہوں۔

مکہ میں بیٹھ کر بیت المقدس کا مشاہدہ کرنا اور اس دنیا میں رہ کر جنت و دوزخ کے مناظر دیکھنا، عام انسانوں کی قوت ادراک سے ماوراء ہے۔ یہ شان صرف پیغمبر کی ہے۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی دوسری دلیل

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ سال کے بعد شہدائے احد پر نماز پڑھی۔ اس وقت حضور پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ جیسے کوئی کسی کو رخصت کر رہا ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور منبر پر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا۔

میں تمہارا امیر منزل ہوں۔ میں تمہارے ایمان و اعمال کا مشاہد ہوں۔ اور تمہاری ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے۔ وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا اور میں یہیں سے کھڑے کھڑے اسے دیکھ رہا ہوں۔ وَقَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ۔ اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے دی گئیں۔ (رواہ الشیخان فی الصحیحین)

غور فرمائیے! ان میں سے کونسی چیز ایسی ہے جن کا ہم اپنے حواس کے ذریعہ ادراک کر سکتے ہیں لیکن پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ علمی دیکھئے کہ ان کی نگاہ پر کوئی حجاب حائل نہیں ہے۔ وہ اسی جہاں آب و گل سے عالم غیب کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی تیسری دلیل

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ۔ میں غیب کی وہ ساری چیزیں دیکھتا ہوں جنھیں تم نہیں دیکھ سکتے اور وہ ساری آوازیں سنتا ہوں جنھیں تم نہیں سن سکتے۔ فرشتوں کے بوجھ کی وجہ سے میں آسمان کے چرچر کرنے کی آواز بھی سنتا ہوں۔ کیونکہ آسمان میں

چار انگل بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں کوئی فرشتہ سجدہ ریز نہ ہو۔

(رواہ الترمذی ابن ماجہ)

اس حدیث میں بھی نہایت صراحت کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ہماری قوت ادراک اور نبی کی قوت ادراک میں کتنا عظیم فرق ہے۔

امام سیوطی کی روایت کردہ ایک حدیث

اسی سلسلہ کے ساتھ امام سیوطی کی یہ روایت بھی نظر میں رکھئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احاطہ علمی اور غیبی قوت ادراک کا صحیح اندازہ لگ جائے گا۔ حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ برستے ہوئے بارش کے ساتھ اتنے کثیر فرشتے آسمان سے نازل ہوتے ہیں کہ ان کی تعداد جن وانس کے سارے افراد سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ وہ بارش کا ہر قطرہ شمار کر لیتے ہیں اور انھیں اس کی بھی خبر ہوتی ہے کہ کون قطرہ کہاں گرے گا اور اس سے جو سبزہ اُگے گا اسے کون کھائے گا۔

(الحبائک فی انباء الملائک)

حضور کی غیبی قوت ادراک کی چوتھی دلیل

ابن اثیر نے اپنی کتاب اُسد الغابہ فی معرفتہ الصحابہ میں حضرت انس نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ ایک انصاری نوجوان سامنے آیا حضور نے اس سے دریافت فرمایا کہ تم نے کس حال میں صبح کی۔ عرض کیا اس حال میں کہ میں سچا ایمان رکھتا ہوں۔ فرمایا بات سمجھ کر کہو کہ ہر قول کی ایک حقیقت ہوتی ہے ؟ بتاؤ؟ تمہارے ایمان کی کیا حقیقت ہے۔

عرض کیا میں نے اپنے آپ کو لذائذ دنیوی سے علیحدہ کر لیا ہے۔ راتیں بیداری میں گزارتا ہوں اور دن بھوک اور پیاس کی حالت میں۔ اب میری قوت مشاہدہ کی کیفیت یہ ہے کہ گویا میں عرش رب العٰلمین کو دیکھ رہا ہوں۔ اور گویا یہ دیکھ رہا ہوں کہ اہلِ جنت آپس میں ملاقاتیں کر رہے ہیں اور اہلِ نار دوزخ میں چیخ رہے ہیں۔ فرمایا اسی حالت پر قائم رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو ایمان کے نور سے منور کر دیا ہے۔ اپنی طرف اس نے

عنایت کریمانہ کو متوجہ دیکھا تو فوراً درخواست پیش کی کہ میرے لئے شہادت کی دعا فرمایئے۔ حضور نے اس کی درخواست قبول کی اور اس کے حق میں شہادت کی دعا فرمائی۔

ابھی کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک معرکہ پیش آیا جیسے ہی جہاد کے لئے منادی ہوئی سب سے پہلے وہ نوجوان اپنے گھر سے نکلا میدان کارزار میں پہنچا تو شہادت کے جذبۂ شوق میں سب سے پہلے مجاہدین کی صف سے نکل کر وہی دشمن کے مقابلے پر آیا اور کچھ دیر تک اپنی شجاعت کے جوہر دکھانے کے بعد گھائل ہو کر زمین پر گرا اور شہادت کی نعمت سے سرفراز ہوا۔

جب اس کی شہادت کی خبر ماں تک پہنچی تو وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! اگر میرا بیٹا جنّت میں ہے تو نہ میں آنسو بہاؤں گی اور نہ اس کی جدائی کا مجھے کوئی غم ہوگا۔ اور اگر دوزخ میں ہے تو عمر بھر روتی رہوں گی۔ جواب عنایت فرمایا اے ام حارثہ! جنت ایک نہیں بلکہ بہت سی ہیں، اور تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ خوشی سے کھل گیا اور واہ حارثہ واہ حارثہ! کہتی ہوئی وہ واپس لوٹ گئیں۔

اس حدیث سے جہاں حضور کی غیبی قوت مشاہدہ پر روشنی پڑتی ہے کہ مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور نے حارثہ کو فردوس اعلیٰ میں دیکھ لیا وہیں یہ حقیقت بھی اجاگر ہو جاتی ہے کہ صحابہ کرام بھی حضور کے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جنّت و دوزخ سب حضور پر روشن ہے اور مدینے میں بیٹھے بیٹھے حضور بتا سکتے ہیں کہ کون جنّت میں ہے اور کون جہنم میں۔ کیونکہ حضور کی غیبی قوت ادراک کے بارے میں اگر ان کا مثبت عقیدہ نہ ہوتا تو وہ حضور سے اس طرح کا سوال ہی نہ کرتے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بی بی صاحبہ کا سوال سن کر حضور نے بھی اس پر ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ان کا سوال اپنے محل میں صحیح تھا۔

اس حدیث سے یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور کے فیضان صحبت اور اعجاز نگاہ سے صحابہ کرام کی قوت ادراک بھی عالم غیب کے مشاہدہ کی استعداد سے آراستہ ہو گئی تھی۔

حضور کی غیبی قوت ادراک کی پانچویں دلیل

بخاری شریف میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر افطار کے پے در پے روزے رکھنا شروع کئے جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا تو وہ بھی حضور کی پیروی میں اسی طرح کا روزہ رکھنے لگے جب ان کے ضعف و نقاہت سے حضور کو ان کے روزے کا علم ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا لَا تُوَاصِلُوْا اس طرح کا روزہ مت رکھو۔ اس کے بعد حضور نے ان کے اس جذبۂ شوق پر تسکین کا مرہم رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ اِنِّیْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ يَسْقِيْنِیْ "میں تمہاری طرح نہیں ہوں میں اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔" اس کے بعد فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں۔

> اس کھانے پینے کی حقیقت دوسروں کو کیا معلوم ہو سکے۔ اگر وہ ہمارے کھانے پینے کی جنس سے ہوتا تو صوم وصال ہی کیوں کہا جاتا اور لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ کیوں فرماتے اور تعجب نہیں کہ وَ قُرَّةُ عَيْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ ص ۹۲

آیت کریمہ کے نکات

حضرت فاضل مصنف نے آیت کریمہ إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ سے متعلق ایسے ایسے نادر و گرانمایہ نکات سپردِ قلم فرمائے ہیں کہ صفحۂ قرطاس پیراہن گل کی طرح مہکنے لگا ہے پڑھئے اور سر دھنئے! ارشاد فرماتے ہیں۔

پہلا نکتہ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ "بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر" اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے درود بھیجنے والے فرشتوں کا ذکر کیا ہے تو انھیں اپنی طرف منسوب کرکے اپنا فرشتہ کہا ہے حالانکہ دیکھا جائے تو سارے فرشتے اللہ ہی کے ہیں۔ اور جہاں حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے کا ذکر کیا ہے وہاں صرف فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ فرمایا ہے۔ یعنی سارے فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا۔ وہاں فرشتوں کی اضافت اپنی طرف نہیں فرمائی ہے۔

اس اندازِ بیان سے دربارِ خداوندی میں حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مقام تقرب کا پتہ چلتا ہے کہ وہ اتنے اپنے ہیں کہ جو فرشتے ان پر درود بھیجتے ہیں وہ بھی اپنے ہوگئے۔ یہ شان صرف محبوب ہی کی ہوسکتی ہے کہ جسے ان کی طرف کسی طرح کی نسبت حاصل ہوجائے وہ بھی محبوب ہوجائے۔

اس نکتے کے بعد حضرت مصنف کا یہ غفلت شکن تازیانہ ملاحظہ فرمائیں؛

اب ہم اُن حضرات سے پوچھتے ہیں جن کے مشرب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر چنداں ضروری نہیں ہے کہ کیا آپ حضرات نے خدا کی بھی کچھ قدر کی یا وہ بھی صرف زبانی دعویٰ ہے۔ کیونکہ اس آیت شریفہ سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قدر کتنی ہے کہ ان پر ہمیشہ کے لئے اپنا صلوٰۃ بھیجنا ظاہر فرماتا ہے۔

پھر اگر ان کے دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی دل میں متمکن ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن جب ان کے دل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے خالی ہیں تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کی جو قدر دانی اور عزت افزائی فرمائی ہے اس کی کچھ وقعت ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ اور یہ بالکل منافی دعوائے عظمت کبریائی ہے۔

اس کے بعد غیرت حق میں ڈوبے ہوئے الفاظ کا یہ تیور ملاحظہ فرمائیے!

میری دانست میں کسی مسلمان کا عقیدہ ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ جملہ اہلِ اسلام جانتے ہیں کہ شیطان اسی بات پر مردود ٹھہرایا گیا کہ اس نے نبی کی تعظیم سے انکار کیا اور ان کی بے قدری کا مرتکب ہوا۔ اسی طرح جس کے دل میں درود و سلام کی وقعت نہ ہو اس کے نزدیک حق تعالیٰ کی بھی عظمت نہیں ہے۔ اور اس سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ حق تعالیٰ کی تعظیم کا اس کو دعویٰ تھا مگر دل میں اس کا اثر نہ تھا۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہوئی جیسے کفار مکہ حق تعالیٰ کو خالق ارض وسما کہتے تھے مگر بت پرستی اور اس کے لوازم ان کے اس قول کو باطل کئے دیتے تھے۔ (ص ۱۰۱)

اور حضرت مصنف کی تنبیہات کا یہ حصہ بھی دیدۂ انصاف سے پڑھنے کے قابل ہے۔
فرماتے ہیں۔

> بڑے افسوس کی بات ہے کہ خود شاہ کونین جن سے ہر طرح کی امیدیں وابستہ ہیں ایک قسم کا ہدیہ ہم سے طلب فرمائیں اور اس کی کچھ پرواہ نہ کی جائے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اعتراف قصور ہو بلکہ مخالفت میں ایسی دلیلیں قائم کی جاتی ہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ حضور کی رغبت کے موافق عمل کیا جائے تو اس میں شرعی قباحت لازم آجائے گی۔
> نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ (صنا)

دوسرا نکتہ

آیہ کریمہ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ یعنی بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں کلام کا آغاز اِنَّ سے ہوا ہے۔ عربی زبان میں لفظ اِنَّ ازالۂ شک کے لئے آتا ہے۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون لوگ تھے جن کے شک اور تردد کو اس کلام قدیم میں ملحوظ رکھا گیا ہے اور اِنَّ کے ذریعہ ان کے تردد اور شک کا ازالہ کیا گیا ہے۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ جس زمانے میں اس آیت کریمہ کا نزول ہوا۔ اُس وقت تین ہی گروہ تھے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا تھا، دوسرا گروہ کھلے کفار و مشرکین کا تھا اور تیسرا گروہ منافقین کا تھا جو اندر سے کافر و منکر اور اوپر سے مدعی اسلام تھے۔ قرآن اور صاحب قرآن پر صحابہ کا ایمان اتنا پختہ اور مستحکم تھا کہ وہاں شک اور تردد کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ اب رہ گئے کھلے کفار تو وہ سرے سے اس آیت کریمہ میں مخاطب ہی نہیں ہیں اس لئے ان کے انکار و شک کے ازالہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اب لے دے کے منافقین ہی کا طبقہ ایسا ہے کہ ایک طرف وہ قرآن پر ایمان لانے کے بھی مدعی تھے اور دوسری طرف اپنے دلوں میں کفر و انکار کا عقیدہ بھی چھپا کر رکھتے تھے۔

اب چاہے اس دور کے منافقین ہوں یا بعد میں آنے والے اس قماش کے لوگ ہوں، اس آیت کریمہ میں اُنہی لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جب سب کا حاکم و مالک اور اس کے تمام فرشتے دائمًا درود میں مشغول ہیں تو سلطنت الٰہیہ کی وفادار رعایا کا فرض کیا ہونا چاہیئے۔ اور اور اس کے محبوب کی عظمت کس قدر ان کے دلوں میں راسخ ہونی چاہیئے اور کس درجہ درود و سلام کا انھیں اہتمام کرنا چاہیئے۔ پھر ملاءِ اعلیٰ کی پیروی کا استحقاق تو اپنی جگہ پر ہے لیکن صراحت کے ساتھ دربار سلطانی سے حکم بھی صادر ہوگیا تو اب لیت و لعل کی کیا گنجائش رہ گئی۔

اتنی تاکید در تاکید کے بعد بھی اگر نبی کی عظمت کے آگے کسی کا دل نہ جھکے تو سمجھ لیجئے کہ اس کے انجام پر بدبختی کی مہر لگ گئی۔

تیسرا نکتہ

آیۃ کریمہ میں یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا (اے ایمان والو) کے اوّلًا بالذات مخاطب مومنین صحابہ ہیں اور وہی لوگ اس خطاب کی لذّت سے بھی واقف ہیں اور درود شریف کی عظمت کو بھی جانتے ہیں۔ ان کے علاوہ قیامت تک پیدا ہونے والے اہلِ اسلام ان کے طفیلی ہیں۔ یہیں سے یہ شناخت بھی قائم ہوگئی کہ جن کے دلوں میں درود سلام کی عظمت نہیں ہے وہ اس خطاب کے اہل ہی نہیں ہیں۔

ہم تو بہر حال انھیں اہل نہیں سمجھتے لیکن مقامِ عبرت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے آپ کو یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ کا مخاطب نہیں گردانتے۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اپنے آپ کو اس کا مخاطب سمجھتے تو درود و سلام کا ہرگز انکار نہیں کرتے چاہے بیٹھ کر پیش کرنے کا موقعہ ہو یا کھڑے ہوکر، ایسے لوگ اگر اس آیت کریمہ کی تصدیق بھی کریں تو انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا کہ مخالفت و انکار کے ساتھ تصدیق قلبی ہرگز مفید نہیں ہے۔ جب خدا نے درود سلام کو کسی ہیئت خاص کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو دوسروں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے لئے بیٹھنے کی قید لگائیں اور کھڑے ہوکر پڑھنے سے انکار کریں۔ جبکہ ہمارا مشرب یہ ہے کہ ہم دونوں ہیئتوں میں سے کسی ہیئت کو نہ فرض کہتے ہیں، نہ واجب نہ حرام بلکہ جس درجۂ اطلاق میں حکم الٰہی ہے اسی درجہ میں اسے رکھتے ہیں۔ دراصل بحث کا دروازہ اس وقت کھلتا ہے جب کوئی کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنے کو حرام کہنے لگتا ہے۔

چوتھا نکتہ

بخاری شریف میں یہ حدیث منقول ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور کے سامنے عرض کیا لَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِیْ۔ حضور! بلاشبہ آپ مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوائے اپنی جان کے۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ رکھے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر نے عرض کیا وَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ لَاَنْتَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ۔ قسم ہے اس ذات کبریا کی جس نے آپ پر کتاب اُتاری اب آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا اے عمر! اب تمہارا ایمان مکمل ہوگیا۔ سبحان اللہ ایک ہی بول میں دل کی گرہ کھل گئی۔

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ایمان والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھتے ہیں۔ پھر جسے یہ سعادت نصیب ہے اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ درود و سلام میں کس درجہ اہتمام کرنا چاہیئے۔

کیونکہ درود و سلام بھی ایک دُعا ہے جس کے ذریعہ نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خداوند قدوس سے علوئے شان اور رفعت مکان کی دُعا کی جاتی ہے۔ اور فطرتِ انسانی کا دستور یہ ہے کہ آدمی سب سے پہلے اپنی جان کے لئے دعا کرتا ہے اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں تو اقتضائے فطرت انسانی درود شریف کو اپنی جان کے لئے کی جانے والی دعا پر بھی مقدم رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو یا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے یا وہ خود اپنی جان کا دشمن ہے۔ دونوں میں سے کوئی بات بھی ہو ہلاکت اس کا مقدر ہے۔

درود بھیجنے کے مواقع

حضرت فاضل مصنف نے صراحت فرمائی ہے کہ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات معین فرمائے ہیں ویسے ہی درود شریف کے اوقات بھی معین فرمائے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اوقات نماز کا تعین تواتر سے ثابت ہے اور درود شریف کے اوقات کا تعین اخبار آحاد سے ہے۔ گو اس طرح کی تمام حدیثیں الگ الگ خبر واحد ہیں لیکن مجموعی طور پر ان کا جائزہ لیا جائے تو بتواتر معنوی یہ بات ضرور ثابت ہو جائے گی کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پسند ہے۔ علامہ سخاوی نے بھی اپنی موقر کتاب القول البدیع میں درود و سلام کی کثرت کو اہلِ سنّت ہونے کی علامت قرار دیا ہے۔

اب ذیل میں وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں درود شریف کے اوقات کا تعین فرمایا گیا ہے۔

پہلی حدیث

محدث طبرانی نے معجم کبیر میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا لَا وَضُوْءَ لِمَنْ لَّمْ یُصَلِّ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یعنی اس شخص کا وضو نہ ہوگا جو وضو کرتے وقت نبی پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں وضو کی نفی سے وضوئے کامل کی نفی مراد ہے۔

دوسری حدیث

حضرت امام فاکہانی نے اپنی گرانقدر تصنیف الفجر المنیر میں حضرت سہل ابن سعد

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّا یُصَلِّیْ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کی نماز نہیں ہوگی جو حضور پر درود نہ بھیجے۔ اس حدیث میں بھی نماز کی نفی سے مراد نماز کامل کی نفی مراد ہے۔

تیسری حدیث

بخاری اور ابن ماجہ کے علاوہ ساری کتب صحاح میں حضرت عبداللہ ابن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّہٗ مَنْ صَلّٰی عَلَیَّ وَاحِدَۃً صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ عَشْرًا

جب تم اذان سنو تو جواب میں مؤذن کے کلمات کو دہراؤ۔ پھر جب اذان ختم ہو جائے تو مجھ پر درود پڑھو کہ جو ایک بار درود شریف پڑھے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس بار اپنی رحمت نازل فرمائے گا۔

چوتھی حدیث

حضرت علامہ زرقانی نے حضرت ابو سعید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مجلس میں لوگ بیٹھیں اور اس میں درود شریف نہ پڑھیں تو وہ جنت میں داخل ہونے کے بعد بھی پچھتائیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کَانَ عَلَیْھِمْ حَسْرَۃٌ وَّاِنْ دَخَلُوا الْجَنَّۃَ۔ جنت میں داخلے کے بعد پچھتاوا اس لئے ہوگا کہ وہ وہاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے کہ درود شریف پڑھنے پر کیسے کیسے اجر و ثواب کا اہتمام کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث ہے جسے حاکم نے مستدرک میں حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ جس میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ جس مجلس میں لوگ جمع ہو کر اللہ کا ذکر کریں لیکن اپنے نبی پر درود و سلام نہ بھیجیں تو ایسی مجلس ضرور ان کے واسطے نقصان کا باعث ہوگی۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ کَانَ ذٰلِکَ الْمَجْلِسُ عَلَیْھِمْ تِرَۃً۔

دلوں میں کچھ بھی خوفِ آخرت ہو تو ان احادیث کی روشنی میں اُن لوگوں کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں جو مجالس ذکر میں درود و سلام کا اتنی شدت کے ساتھ انکار کرتے ہیں کہ جیسے ہی لوگ درود و سلام پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے وہ وحشی جانوروں کی طرح مجالس سے بھاگنے لگتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث کے مضامین سے ظاہر ہوتا ہے کہ صرف میلاد کی محافل ہی میں نہیں بلکہ ہر مجلس میں نبی پر درود و سلام پڑھنا دارین کی سعادت ہے۔

پانچویں حدیث

امام ترمذی نے اپنی جامع میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا رَغِمَ اَنْفُ رَجُلٍ ذُکِرْتُ عِنْدَہٗ فَلَمْ یُصَلِّ عَلَیَّ۔ اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس کے سامنے میرا نام لیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔

چھٹی حدیث

امام سیوطی نے جامع صغیر میں، اور ابن عدی نے کامل میں اور طبرانی نے جامع کبیر میں حضرت ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا کان بجنے لگے تو وہ مجھے یاد کرے اور مجھ پر درود پڑھے۔ اور اس کے بعد یہ الفاظ کہے۔ ذَکَرَ اللّٰہُ مَنْ ذَکَرَنِیْ بِخَیْرٍ اللہ اُسے یاد کرے جس نے خیر کے ساتھ مجھے یاد کیا۔

ساتویں حدیث

المواہب اللدنیہ میں حضرت ابوموسیٰ المدینی نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا:

اِذَا نَسِیْتُمْ شَیْئًا فَصَلُّوْا عَلَیَّ تَذْکُرُوْہُ اِنْشَاءَ اللّٰہُ۔

جب تم کسی چیز کو بھول جاؤ تو مجھ پر درود پڑھو انشاء اللہ وہ چیز تمہیں درود شریف کی برکت سے یاد آجائے گی۔

آٹھویں حدیث

زاد المعاد میں حضرت اوس ابن اوس سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ دنوں میں سب سے بہتر دن جمعہ کا دن ہے کہ اس دن حضرت آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے اور اسی دن انھوں نے انتقال کیا اور اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اُسی دن لوگوں پر بیہوشی طاری ہوگی۔ اس لئے جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَۃٌ عَلَیَّ کیونکہ تمہارا درود اس دن میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کے پردہ فرمانے کے بعد ہمارا درود آپ کے سامنے کیونکر پیش کیا جائے گا۔ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کردیا ہے اس لئے ہر نبی اپنی قبر میں زندہ ہے اور اسے روحانی غذا دی جاتی ہے۔

امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اتنا اضافہ کیا ہے' مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو اس لئے کہ اوّل من تُسْئَلُوْنَ فِی الْقَبْرِ عَنِّیْ قبر میں سب سے پہلے میرے بارے میں تم سے سوال کیا جائے گا۔

چند مقامات کی اور نشاندہی امام سخاوی کے قلم سے

درود شریف پڑھنے کے ان مواقع کے علاوہ حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اسّی مواقع اور گنائے ہیں اور ہر موقعہ کو احادیث و آثار سے ثابت کیا ہے۔

ان میں سے خاص خاص مقامات کی ذیل میں نشاندہی کی جاتی ہے۔

(۱) تہجد کے لئے اٹھتے وقت (۲) کسی مسجد میں داخل ہونے کے وقت (۳) جب میت کو قبر میں اتارا جائے (۴) جب کعبہ شریف پر نظر پڑے (۵) حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت (۶) عرفات میں دوپہر کے بعد (۷) جب مدینہ کا مقدس شہر نظر آنے لگے۔ (۸) جب حضور کے تبرکات کی زیارت کا موقعہ ہو (۹) جب سونے کا ارادہ کریں (۱۰) سفر کے لئے گھر سے نکلتے وقت (۱۱) سواری پر سوار ہوتے وقت (۱۲) جب اپنے گھر میں داخل ہو۔ (۱۳) جب غم سختی یا کسی مصیبت کا سامنا ہو (۱۴) دعا کے شروع اور اخیر میں (۱۵) جب پاؤں سُن ہو جائے (۱۶) جب کوئی چیز اچھی معلوم ہو (۱۷) جب کوئی حاجت پیش آجائے۔

(۱۸) گناہ سے توبہ کرتے وقت (۱۹) جب کسی پر تہمت لگادی اور وہ اس سے پاک ہو۔
(۲۰) ختم قرآن کے بعد (۲۱) جب قلم سے حضور کا نام مبارک لکھیں (۲۲) جب دینی کتابوں کے سبق کا آغاز ہو۔

حاصلِ بحث

ان ساری حدیثوں سے یہ بات تواتر معنوی کے ساتھ ثابت ہوتی ہے کہ درود شریف کی کثرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ پسند ہے اور حضور اپنی امت کو دنیا و آخرت میں درود شریف کی لامحدود برکتوں سے بہرہ مند دیکھنا چاہتے ہیں اور مالکِ کائنات کی خوشی بھی اسی میں ہے کہ ملأ اعلیٰ کی طرح زمین کی سلطنت میں بھی درود وسلام کے ملکوتی نغموں کی دھوم ہر وقت مچتی رہے۔

فاضل مصنف کی ایک عبرت آموز نصیحت

اس بحث کے خاتمے پر حضرت مصنف علیہ الرحمۃ والرضوان کی ایک عبرت آموز نصیحت انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

> صرف ایک یا دوبار درود شریف ادائے فرض کے خیال سے پڑھ لینا اور ایسی تقریریں کرنا کہ مسلمانوں کی رغبت کم ہوجائے مسلک اہل سنت و جماعت کے خلاف ہے اور خلاف مرضی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خلاف مرضئ حق تعالیٰ بھی ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک (ص ۱۳۹)

سلام کی بحث

اس عنوان کے ذیل میں فاضل مصنف نے عشق و عقیدت اور علم و فضل کے ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ ان کی خوشبو سے کاغذ کا پیراہن تک معطر ہوگیا ہے۔ ان مہکتے ہوئے پھولوں کی روشں سے گزرتے ہوئے اہلِ ایمان کے کیف و سرور کا کیا عالم ہوگا اسے ہم اپنے قارئین کرام کے باطنی احوال کے حوالہ کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

سب سے پہلے حیرت و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ سلام کے موضوع پر ان علمی نکات کا مطالعہ کیجئے جن سے بدبختیوں کی ساری گرہیں کھل جائیں گی۔

پہلا نکتہ

کتاب الشفاء میں حضرت قاضی عیاض کی صراحت کے مطابق السلام علیک کے معنی یہ ہیں کہ تم سلامت رہو یا ہم تمہارے فرماں بردار اور راضی برضا ہیں۔

اس اجمال کے بعد اب تفصیل کی طرف آئیے۔

جب کوئی شخص کسی کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنے مخاطب کو یقین دلاتا ہے کہ میری طرف سے تمہاری سلامتی کو کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسی لئے مخاطب پر بھی واجب ہے کہ وہ اُن ہی الفاظ میں جواب دے کر اپنی طرف سے بھی اپنے مخاطب کو سلامتی کا یقین دلائے۔

چنانچہ عرب کے بدوؤں تک میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ جب وہ کسی کو سلام کرتے ہیں یا سلام کا جواب دیتے ہیں تو اب اسے کسی قسم کا ضرر نہیں پہنچاتے اور جب ضرر پہنچانا مقصود ہوتا ہے تو نہ سلام کرتے ہیں اور نہ سلام کا جواب دیتے ہیں۔ اس

سے معلوم ہوا کہ "سلام" دل کے اخلاص و محبت کا ترجمان ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں اب بحث کا یہ رُخ سمجھئے کہ جو اُمتی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں یقین دلاتا ہے کہ نبی کی عزت و حرمت میری طرف سے بالکل محفوظ ہے۔ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کروں گا جس سے نبی کی عظمت کو ٹھیس پہنچے۔ اور جو سلام سے انکار کرتا ہے یا سلام کرنے میں پس و پیش کرتا ہے وہ دوسرے لفظوں میں اعلان کرتا ہے کہ اپنے نبی کی طرف سے اس کے دل کا ارادہ اچھا نہیں ہے۔

آپ اخلاص کے ساتھ آیت کریمہ کے الفاظ پر غور فرمائیں تو یہ نکتہ اور واضح ہو جائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۝ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝

بیشک اللہ اور اس کے تمام فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں۔ پس اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو اور سلام بھیجو جس طرح سلام بھیجنے کا حق ہے۔

غور فرمائیے اس آیت پاک میں اللہ اور اس کے فرشتوں کی طرف صرف درود کی نسبت ہے لیکن مومنین سے درود کا بھی مطالبہ ہے اور سلام کا بھی۔ آپ گہرائی میں اُتریں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ جس سے خطرہ ہوتا ہے وہیں تحفظ کا اہتمام کیا جاتا ہے اور جہاں سرے کوئی خطرہ نہیں ہے وہاں کسی طرح کی پیش بندی کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ظاہر ہے کہ نبی کی عزت و حرمت کو نہ اللہ کی طرف سے کوئی خطرہ ہے اور نہ فرشتوں کی طرف سے۔ خطرہ جو کچھ بھی ہے وہ انسانوں کی طرف سے ہے۔ اس لئے درود کے ساتھ ساتھ ان سے سلام کا مطالبہ بھی ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نبی کو سلام کرکے تم اس بات کا اعلان کرو کہ تمہاری طرف سے نبی کی عزت و حرم کو کوئی ٹھیس نہیں پہنچے گی۔

اب کوئی اُمتی نبی کا دل سے جاں نثار ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ نبی کو سلام کرنے سے گریز نہیں کرے گا بلکہ سلام کرنے کے لئے اگر جنگ کی نوبت آگئی تو اس مرحلہ سے بھی وہ

گزر جائے گا لیکن نبی کی طرف جن کے دل کے ارادے اچھے نہیں ہیں وہ یا تو سلام کرنے سے صاف انکار کر دیں گے یا حالات کا دباؤ پڑا تو گریز کا راستہ اختیار کریں گے۔

سلام تو التحیات میں بھی پڑھا جاتا ہے لیکن بالکل آہستہ پڑھا جاتا ہے اس لئے وہاں دل کی بیماریوں کی شناخت بہت مشکل ہے کہ اس نے سلام پڑھا یا نہیں ؟ لیکن باآواز بلند سلام پڑھتے وقت دلوں کی چوری مشکل ہی سے چھپے گی۔ کچھ بعید نہیں کہ باآواز بلند سلام کی ترویج میں یہی مصلحت ہمارے ائمہ و اکابر کے پیش نظر ہو۔ واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

دوسرا نکتہ

مشکوٰۃ شریف میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک نخلستان (کھجوروں کے باغ) میں تشریف لے گئے۔ یکایک حضور کی پیشانی سجدہ ریز ہو گئی۔ راوی کہتے ہیں کہ سجدہ اتنا طویل تھا کہ مجھے اندیشہ ہونے لگا کہ کہیں اسی حالت میں حضور انتقال تو نہیں فرما گئے۔ کافی دیر کے بعد جب حضور نے سجدے سے سر اٹھایا تو میں نے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبریل امین ابھی میرے پاس تشریف لائے تھے۔ انھوں نے خداوند ذوالجلال کی طرف سے مجھے یہ بشارت دی ہے کہ

مَنْ صَلَّىٰ عَلَيْكَ صَلَّيْتُ عَلَيْهِ وَمَنْ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَلَّمْتُ عَلَيْهِ

(رواہ احمد) کہ جو آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر رحمت نازل کروں گا اور جو آپ پر سلام بھیجے گا میں سلام کے ساتھ اس کا جواب دوں گا۔

فاضل مصنف اس حدیث کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ کس قدر حیرت و مسرت کی بات ہے کہ سلام کرنے والے خدا کے حبیب کو سلام کرتے ہیں اور سلام کا جواب مرحمت فرماتا ہے مالک بے نیاز۔ اس سے محبُوب و محِبّ کے درمیان اُس غایت قرب کا پتہ چلتا ہے جو بندوں کے فہم و ادراک سے ماورا ہے۔ محبوب و محِب کے درمیان ایسا رشتہ وہیں متصور ہے جہاں اپنائیت نقطۂ انتہا پر پہنچ گئی ہو۔ کسی بندے کی اس سے بڑی خوش بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خداوند ذوالجلال اسے سلام کرے۔ اپنے نبی کی

جلالتِ شان پر نثار ہو جانے کی بات ہے کہ ان کے صدقہ میں امت کو کس کس اعزاز سے پروردگار نے نوازا ہے۔

مصنف کتاب نے اپنے قارئین کو متنبہ کیا ہے کہ "خدا سلام کا جواب دیتا ہے" سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ حضور سلام کا جواب نہیں دیتے۔ کیونکہ بہت سی حدیثوں میں اس بات کی صراحت آئی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ نفس نفیس سلام کا جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ اب نبی کو سلام کرنے والے کی سعادت و فیروز بختی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی سلام بھیجتے ہیں اور خداوند ذوالجلال بھی سلام بھیجتا ہے۔ ان حدیثوں سے وہ لوگ عبرت حاصل کریں جو "یا نبی سلام علیک" سے انکار کر کے اپنے آپ کو خدا کے سلام سے بھی محروم رکھتے ہیں اور نبی کے سلام سے بھی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

تیسرا نکتہ

امام احمد، طبرانی، بیہقی، اور بغوی نے یعلیٰ ابن مرہ ثقفی سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ حضور نے قیام فرمایا۔ حضور خواب استراحت میں تھے کہ ہم لوگوں نے دیکھا کہ ایک درخت زمین کو چیرتا پھاڑتا، جھومتا جھامتا آیا اور حضور کو اپنے سایہ میں ڈھانپ لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد اپنی جگہ پر واپس لوٹ گیا۔

جب حضور بیدار ہوئے تو ہم لوگوں نے حضور سے یہ واقعہ بیان کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا: هِيَ شَجَرَةٌ اِسْتَاذَنَتْ رَبَّهَا فِيْ اَنْ تُسَلِّمَ عَلَيَّ فَاَذِنَ لَهَا۔ "یہ وہ درخت ہے جس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے کی اجازت طلب کی اور اسے اجازت مل گئی۔

مقام غور ہے کہ درخت جو نہ ذوی العقول ہے اور نہ احکامِ شرع کا مکلف ہے وہ نبی پاک کے حضور میں سلام پیش کرنے کی اجازت خدا سے طلب کرتا ہے اور وہ بھی ان کے قریب جا کر۔ اور غالبًا یہ اجازت ہی کا ثمرہ ہے کہ اسے زمین شق کرتے ہوئے حاضر بارگاہ ہونے کی قدرت بھی عطا کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس واقعہ میں درخت کا چل کر آنا پیغمبر کے حکم کی تعمیل میں نہیں تھا کہ اُسے نبی کا معجزہ قرار دیا جائے۔ بلکہ خود اس درخت کی آرزو کے شوق کی

تکمیل کے لئے اسے خدا کی طرف سے یہ قدرت عطا ہوتی ہے۔

اس واقعہ سے اُن سیہ بختوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے جو حضور پاک کو سلام کرنے میں آنا کانی کرتے ہیں اور سلام سے روکنے کے لئے طرح طرح کا بکھیڑا کھڑا کرتے ہیں کہ ایک بے شعور درخت اس سعادت کے حصول کے لئے کس درجہ حسّاس ہے کہ وہ نبی کو سلام کرنے کے لئے خدا سے توفیق طلب کرتا ہے اور یہ علم و شعور والے بندے ہیں جو خدا کے حکم صریح کے باوجود سلام سے انکار کرتے ہیں۔

سلام کی اہمیت پر دلائل کے انبار

حضرت مصنف کی علمی جلالت کو سلام کیجئے کہ انھوں نے سلام کی اہمیت پر دلائل و براہین کی ایسی فصل اگائی ہے کہ دیدۂ شوق وا کیجئے اور ان کی بہاروں کا لطف اٹھائیے۔

پہلی دلیل

فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں :

> یہاں یہ امر پیشِ نظر رہے کہ سلام کی کس قدر وقعت ہے کہ عین نماز میں اسے ضروری ٹھہرایا گیا حالانکہ نماز عبادت محضہ ہے۔ ظاہر ہے کہ عبادت میں توجہ صرف معبود حقیقی کی طرف ہونی چاہیئے۔
>
> اگر کہا جاوے کہ وہ سلام جو التحیات میں پڑھا جاتا ہے۔ یعنی "اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" اس سے نبی کو خطاب مقصود نہیں بلکہ شب معراج کی حکایت مقصود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ پھر تو اس صورت میں اَلتَّحِيَّاتُ کا کچھ مطلب ہی نہیں ہوا صرف الفاظ ہی رہ گئے۔
>
> اسی طرح نہ اَلتَّحِيَّاتُ سے تمام تحیات اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے کا اعتراف ہوا اور نہ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ سے عقیدۂ توحید پر شہادت ہوئی۔ حالانکہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے التحیات کی تعلیم

فرمائی تو یہ نہ کہا کہ شبِ معراج میں اس طرح کا مخاطبہ ہوا تھا اور بطور حکایت اس کو پڑھنا چاہیے۔ ص۱۴۶

اس دعوے پر کہ السَّلامُ علیكَ ایُّهَا النَّبی سے خطاب مقصود ہے شب معراج کے واقعہ کی نقل مقصود نہیں ہے۔ حضرت مصنف کی یہ پہلی دلیل ہوئی۔ آگے چل کر پھر اس دلیل کی مزید وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

ہر چند الفاظ التحیات کے مختلف طور پر وارد ہیں لیکن جن احادیث میں السَّلام علیك ایُّهَا النَّبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے ان احادیث کو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، ابن حبان، ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے روایت کی ہے۔ جیسا کہ کنز العمال میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

لیکن ان تمام روایات میں سے کسی روایت میں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ وہ سلام بطور حکایت پڑھا جاوے۔ پھر جب حکایت ہونا اس کا ثابت نہ ہوا تو اس کے معنی مقصود بالذات ہوئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ السَّلام علیك ایها النبی کو بطور حکایت نہیں بلکہ بطور انشا کہا جائے گا۔ جیسا کہ شیخ عابد سندھی نے اپنی کتاب طوالع الانوار شرح در مختار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (ص۱۴۷)

دوسری دلیل

اس دعوے پر کہ التحیات میں السَّلَامُ عَلَیْكَ ایها النبی سے شب معراج کے واقعہ کی حکایت مقصود نہیں ہے بلکہ نمازی بالقصد حضور کو بحالت نماز اپنی طرف سے خطاب کرتا ہے اور انھیں اپنا سلام پیش کرتا ہے، حضرت مصنف کی یہ دوسری دلیل ہے۔ ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ شروع شروع میں صحابۂ کرام السَّلَامُ عَلَیٰ فلاں وفلاں

کہا کرتے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ تم السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن کہا کرو۔ جب تم یہ کہو گے تو تمہارا سلام جملہ انبیاء و مرسلین، سارے ملائکہ اور تمام عباد صالحین کو پہنچ جائے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ یہ سلام بطور حکایت واقعہ نہیں ہے۔

مصنف کتاب ارشاد فرماتے ہیں کہ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن میں اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں مگر چونکہ یہ سلام حضور کو ضمنی ہوا اور اس طرح کے سلام میں حضور کی کوئی خصوصیت نہیں رہی اس لئے حضور کے مقام کی عظمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ نمازی حضور کی طرف متوجہ ہوکر خاص خطاب کے ساتھ حضور کو سلام کرے۔

یہاں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ جیسے السَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْن میں سلام کا صدور بالقصد ہے اسی طرح اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں بھی بالقصد سلام کے ساتھ حضور مخاطب ہیں۔ اور تکمیل تحیۃ کے طور پر حضور کے سلام میں وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ کا بھی اضافہ ہے۔

تیسری دلیل

حضرت فاضل مصنف اپنے اس دعوے پر کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ میں نمازی کی طرف سے حضور کو بالقصد خطاب کرکے سلام پیش کرنا مقصود ہے، واقعۂ معراج کی حکایت مقصود نہیں ہے، تیسری دلیل پیش کرتے ہیں۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کی روایت بتواتر لفظی حدیث متواتر کے درجہ میں ہے اگر اس سے خطاب اور ندا کے معنیٰ مراد نہ لئے جائیں تو حدیث متواتر کے مفہوم میں ایک طرح کا نسخ لازم آجائے گا۔ اور اصول فقہ کے مطابق ضروری ہے کہ دلیل نسخ بھی ویسے ہی قطعی ہو۔ اور شب معراج کا مخاطبہ اگر احادیث صحیحہ سے ثابت بھی ہوجائے جب بھی حدیث متواتر کا نسخ اس سے نہیں ہوسکے گا کیونکہ اس مفہوم کی ساری حدیثیں احاد ہیں ان میں حدیث متواتر جیسی قطعیت نہیں ہے۔

اتنی تفصیل کے بعد حضرت فاضل مصنف ایک علمی نکتہ پیدا کرکے اپنے دعوے

کی صحت کو اُس نقطۂ انتہا پر پہنچا دیا ہے کہ اب سوائے تسلیم کے منکرین کے لئے کوئی راہ فرار باقی نہیں ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> التحیات میں خطاب و ندا کے جو معنی تواتر کے ساتھ ثابت ہیں ان کے نسخ کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت کیا جائے۔ اور اِذ لَیْسَ فَلَیْسَ یعنی جب بطور حکایت پڑھنے کا امر بتواتر ثابت نہیں ہے تو السلام علیک ایھا النبی میں ندا اور خطاب کے معنی کا نسخ بھی ثابت نہیں ہوگا۔ ص۱۴۸

چوتھی دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی طرف سے یہ چوتھی دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری، نسائی اور ابن ماجہ کی روایت کے مطابق جب آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ نازل ہوئی تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ سلام کا طریقہ تو ہمیں پہلے سے معلوم ہے۔ صلوٰۃ کا طریقہ ارشاد فرمایئے۔ حضور نے فرمایا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ پڑھا کرو حکم صلوٰۃ کی تعمیل ہو جائے گی۔

امام بیہقی کے حوالہ سے فاضل مصنف نے ثابت کیا ہے کہ صحابہ کرام نے اپنے سوال میں جس سلام کے جاننے کا ذکر کیا تھا وہ تشہد والا سلام ہے۔ اور انھوں نے اسی سلام کو وَ سَلِّمُوْا کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ سمجھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام کے نزدیک تشہد والا سلام خطاب و انشا کے طور پر تھا حکایت و اقعہ کے طور پر نہیں تھا۔ اور یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ کسی حکم کی تعمیل کے لئے انشار کی ضرورت ہے حکایت مفید نہیں۔

پانچویں دلیل

اسی دعوے پر فاضل مصنف کی یہ پانچویں دلیل ہے۔

ان کی اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری کی روایت کے مطابق صحابۂ کرام حضور کی حیات ظاہری میں تشہد کے اندر السلام علیک ایہا النبی خطاب اور ندا کے ساتھ بڑھا کرتے لیکن حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ فرمایا تو انھوں نے اُسے بدل دیا اور السلام علی النبی کہنے لگے۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر نے بھی بخاری کی شرح فتح الباری میں لکھا ہے۔

اِنَّ الصَّحَابَۃَ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ وَالنَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ فَلَمَّا مَاتَ قَالُوْا اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ (واسنادہ صحیح)	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ظاہری میں صحابہ کرام التحیات میں السلامُ علیک ایہا النبیُّ پڑھا کرتے تھے لیکن جب حضور نے پردہ کر لیا تو انھوں نے اسے بدل دیا اور السلام علی النبی کہنے لگے۔

اس واقعہ سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ صحابۂ کرام کے نزدیک تشہد بطور انشا تھا بطور حکایت نہیں تھا۔ کیونکہ اگر بطور حکایت ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد خطاب اور ندا والے الفاظ کو بدلنے کی کوئی حاجت نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس مقام پر کسی کو بھی یہ شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ تبدیلی کے اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابۂ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد انھیں خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لئے انھوں نے خطاب اور ندا والا صیغہ بدل دیا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ الفاظ بدلنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ صحابۂ کرام حضور کے وصال شریف کے بعد پھر خطاب و ندا کے ساتھ سلام کرنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ غایت عشق اور کمال قرب کی وجہ سے حضور کی مفارقت کا صدمہ ان کے لئے ناقابلِ برداشت ہوگیا تھا عام صحابہ کے علاوہ خواص بھی بیتابیوں کے اضطراب کی اتنی دردناک کیفیت

سے دوچار تھے کہ لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے تھے۔ بعض صحابہ تو اتنے خود رفتہ ہو گئے تھے کہ اس خبر پر وہ بھی یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

یہاں تک کہ کنز العمال کی روایت کے مطابق حضور کے وصال شریف کے بعد جب سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی اذان دی تو سارے مدینہ میں کہرام بپا ہو گیا اور وہ خود فرط غم سے غش کھا کر گر پڑے۔ کیونکہ جب وہ اذان دیتے وقت اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کہتے تھے تو اپنی انگشت شہادت سے حضور کی طرف اشارہ کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اس کے بعد انھوں نے اذان دینے سے انکار کر دیا۔ امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اصرار کیا تو انھوں نے معذرت کر لی کیونکہ ان کے اندر اس صدمہ کی تاب ضبط نہیں تھی کہ وہ حضور کی طرف اشارہ کریں اور حضور پیش نظر نہ ہوں۔

اور مواہب لدنیہ کی روایت کے مطابق ایک صحابی رسول حضرت عبد اللہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، جب انھیں خبر ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا تو انھوں نے بے ساختہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور یہ دُعا مانگی اَللّٰهُمَّ اذْهَبْ بَصَرِیْ لَا اَرٰی بَعْدَ حَبِیْبِیْ مُحَمَّدٍ اَحَدًا۔ " یا اللہ! میری آنکھ کی بینائی زائل کر دے کہ میں اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کا چہرہ نہ دیکھوں "۔

- راوی حدیث بیان کرتے ہیں کہ جیسے ہی انھوں نے اپنی دعا ختم کی فَکُفَّ بَصَرُهٗ ای عَمِیَ فوراً ان کی بینائی زائل ہو گئی اور وہ مکمل طور پر نابینا ہو گئے۔

حدیثوں میں آیا ہے کہ آدمی تو آدمی ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق کا صدمہ جانوروں پر بھی پڑا۔ چنانچہ حضور پاک کی سواری کا جانور جب اس صدمے کی تاب نہ لا سکا تو ایک کنویں میں گر کر اپنی جان دیدی۔ مقام غور ہے کہ جب جانوروں تک کا یہ حال ہو تو ان جانبازان خستہ جگر کا کیا حال ہوا ہو گا جنھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم بلکہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب تھے۔

اسی درد انگیز اور المناک کیفیت کا ردّ عمل تھا کہ صحابۂ کرام کے اندر حضور کو خطاب اور ندا کے ساتھ سلام کرنے کی تاب نہیں تھی کیونکہ خطاب اور ندا حضوری کو چاہتا ہے اور اس سے جدائی کا غم تازہ ہوتا تھا اس لئے صحابہ کرام کے سلام میں خطاب اور ندا کے

لفاظ بدل دیئے۔

اس کے بعد حضرت مصنف تحریر فرماتے ہیں:

"الحاصل کمال رنج وغم کے سبب سے اوائل میں بعض صحابہ نے خطاب اور ندا کو ترک کر دیا تھا پھر جب وہ حالت بسبب امتداد زمانہ کے فرو ہوگئی تو بجسب تعظیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پھر اسی طور پر بعینہٖ خطاب و ندا پڑھنا شروع کیا جیسا کہ یہ عمل آج تک جاری ہے۔" ص ۱۵۳

اس دعوے کے ثبوت میں تین وجہیں

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حضرت فاضل مصنف نے تین وجہیں بیان کی ہیں۔

پہلی وجہ

بروایت متعددہ ثابت ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق اور حضرت عبداللہ ابن زبیر برسر منبر علیٰ رؤس الاشہاد اپنی اپنی خلافتوں میں التحیات کی تعلیم بلفظ السلام علیک ایہا النبی دیا کرتے تھے۔ اور یہ تعلیم کچھ ایسی نہ تھی کہ کسی پر پوشیدہ رہ جاتی۔ پھر اگر کسی کو خطاب اور ندا میں کلام ہوتا تو ضرور کہہ دیتے۔ کیونکہ صحابہ کی شان سے یہ بعید ہے کہ کسی واقعہ کو خلاف واقعہ سن کر خاموش رہ جائیں۔ خصوصًا ایسا مسئلہ کہ جس میں آخری زمانہ والوں کے خیال کے مطابق شرک کا اندیشہ ہے۔ ص ۱۵۴

دوسری وجہ

خود حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعین کو اسی

التحیات کی تعلیم دیا کرتے تھے جس کی تعلیم ان کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ جیسا کہ خود فتح القدیر میں حضرت ابن ہمام نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ صہ ۱۵۷

تیسری وجہ

اگر اس تبدیلی میں لحاظ خطاب اور ندا کا تھا تو یہ بسبب قبل انتقال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی موجود تھا اس لئے کہ صحابہ اکثر اپنے اسفار میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب بھی ہوتے تھے۔ پس اس صورت میں لازم آتا ہے کہ حالت غَیبُتْ میں التحیات بصیغہ خطاب وندا نہ پڑھتے ہوں حالانکہ یہ بات کسی سے بھی مروی نہیں ہے۔

بلکہ خود حدیث میں یہ تصریح گزری کہ بعد وفات شریف خطاب و ندا کا صیغہ بدلا گیا۔ پس معلوم ہوا کہ تبدیلی کا سبب نداوخطاب نہ تھا بلکہ وفات شریف کا صدمہ تھا۔

پس ان وجوہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اول تو جملہ صحابہ نے صیغہ بدلا ہی نہیں اور بعضوں نے جو بدلا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ بعد وفات شریف کے خطاب وندا جائز نہیں۔ اور پھر چند روز کے بعد بدلنے والے بھی آنحضرت کی تعلیم کے مطابق التحیات بصیغۂ خطاب وندا پڑھتے اور اسی کی تعلیم دیتے تھے۔ صہ ۱۵۷

ایک لطیف طنز

حضرت فاضل مصنف نے ان لوگوں پر جو ندائے یا رسول اللہ کو ناجائز کہتے ہیں

ایک لطیف طنز کیا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ حصہ انہی کے الفاظ میں پڑھئے :

> ندائے غائب کے مسئلہ میں جب اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کے ساتھ استدلال کیا جاتا ہے تو بعض لوگ اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہاں ندا مقصود نہیں بلکہ حکایت ہے مخاطبۂ شب معراج کی۔
>
> پھر جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ کیا مخاطبۂ معراج والی حدیث کو آپ مانتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ حدیث مان لی جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عرش پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جانے کی کوئی حدیث صحیح یا حسن محدثین کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔
>
> یہ عجیب بات ہے کہ اگر نماز کی التحیات کو مخاطبۂ معراج کی حکایت قرار دیں تو چاہیئے کہ محکی عنہ کو بھی اپنے قواعد کے مطابق ثابت کریں یا مان لیں اور محکی عنہ کا انکار ہے تو حکایت کا نام نہ لیں۔ اس کا کیا معنی کہ حکایت میں تو وہ زور و شور اور محکی عنہ سے بالکل انکار۔ کیا اس کو الف لیلہ کی حکایت سمجھی ہے جس میں محکی عنہ سے کچھ بحث نہیں۔ صہ ۱۶۵

خلاصۂ بحث

خلاصۂ بحث کے طور پر فاضل مصنف نے اپنے جو احساسات پیش کئے ہیں وہ پڑھنے کے قابل ہیں۔ سطر سطر سے محبتِ رسول کی خوشبو اڑ رہی ہے اور لفظ لفظ عشق و ایمان کے آبِ حیات میں بھیگا ہوا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> الحاصل ہر مسلمان کو چاہیئے کہ نماز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہو کر سلام عرض کرے۔ اور شک نہ کرے کہ اس میں شرک فی العبادۃ ہوگا کیونکہ جب شارع کی طرف سے اس کا امر ہوگیا تو

> اب جتنے خیالات اس کے خلاف ہیں وہ سب بیہودہ اور فاسد سمجھے جائیں گے اور اس میں چون وچرا کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کے سجدے میں کیا تھا۔
> اب یہ بات محسوس کرنی چاہیئے کہ جب اس سلام کا مرتبہ ایسا ہوا کہ عبادت محضہ یعنی نماز کا ایک حصہ اس کے لئے خاص کیا گیا تو دوسرے اوقات میں اس کا کس قدر اہتمام کرنا چاہیئے اور آداب ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ ص ۱۶۵

اس کے بعد یہ عبارت بھی جذبۂ عقیدت میں سرشار ہو کر پڑھئے۔ سلام کے آداب سکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

> الغرض جب کسی خاص وقت میں سلام عرض کرے، تو چاہیئے کہ کمال ادب کے ساتھ کھڑا ہوا اور دستہ بستہ ہو کر عرض کرے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاسَیِّدَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاسَیِّدَنَا سَیِّدَ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ۔ اسی طرح کے الفاظ کے ساتھ سلام کرے جن سے حضرت کی عظمت معلوم ہو۔ ص ۶۶

ایک اعتراض اور اس کا روح پرور جواب

کھڑے ہو کر سلام پیش کرنے کے سلسلے میں منکرین کے اعتراضات ڈھکے چھپے نہیں ہیں کہ انھیں کوئی خاص اہمیت دی جائے۔ ایک ہی بات بار بار دہرائی جاتی ہے لیکن فاضل مصنف نے ان اعتراضات کے جو جواب دیئے ہیں ان میں فکر و نظر اور علم و تحقیق کی جو ندرت ہے، انھیں پڑھئے اور سر دھنئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اب یہاں شاید کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ قیام عبادت کے مشابہہ ہے اس لئے وہ جائز نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب عین عبادت میں یہ سلام جائز ہوا تو مشابہہ بالعبادۃ میں کیونکر جائز نہیں ہوگا۔ (ص ۱۶۶)

قیام تعظیمی کی بحث

حضرت فاضل مصنف نے قیام تعظیمی کے مسئلہ پر نہایت طویل بحث فرمائی ہے
موصوف نے اُن ساری حدیثوں کا بھی جائزہ لیا ہے جن میں قیام کی ممانعت آئی ہے
اور شروح و احادیث کی روشنی میں ان کی صحیح مراد متعین کرتے ہوئے نہایت وضاحت
کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ ان حدیثوں میں مطلق قیام کی ممانعت نہیں ہے بلکہ اُس قیام خاص
کی ممانعت ہے جو عجمی بادشاہوں کے دربار میں رائج تھا کہ بادشاہ بیٹھا رہتا اور
لوگ اس کے گرد ہاتھ باندھے کھڑے رہتے۔
یا پھر اس قیام کی ممانعت ہے جو کسی کی تعظیم کے لئے اس کی خواہش پر کیا جائے۔
اس کے بعد حضرت موصوف نے قیام تعظیمی کے جواز پر دلائل کے انبار لگا دیئے ہیں
جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیام تعظیمی کی پہلی دلیل

بخاری شریف کی مشہور حدیث جو حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
مروی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ کے قبیلۂ بنو قریظہ نے جب حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کو اپنا حَکَمْ مان لیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلوایا ابھی وہ اپنی
سواری ہی پر تھے کہ حضور نے انصار کو حکم دیا کہ قُوْمُوْا اِلٰی سَیِّدِکُمْ اپنے سردار کی تعظیم
کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ اس حدیث میں نہایت صراحت سے کھڑے ہونے کا حکم ہے۔
منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ چونکہ حضرت سعد
زخمی تھے اس لئے حضور کا منشا یہ تھا کہ لوگ آگے بڑھ کر انھیں سواری سے اتار لیں اس

لئے اس قیام سے قیام تعظیمی نہیں ثابت ہوتا۔

حضرت فاضل مصنف نے اس کے جواب میں کہا ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے کا حکم سردار کی نسبت کے ساتھ ہے اس لئے یہ لفظ ظاہر کرتا ہے کہ کھڑے ہونے کا حکم اظہار تعظیم کے لئے تھا اور اسی کا نام قیام تعظیمی ہے۔

قیام تعظیمی کی دوسری دلیل

اس حدیث کو حضرت ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے رضاعی باپ یعنی حضرت حلیمہ سعدیہ کے شوہر تشریف لائے تو حضور نے انھیں بٹھانے کے لئے اپنی چادر شریف کا ایک کونہ بچھا دیا۔ پھر حضور کی ماں تشریف لائیں تو ان کے لئے دوسرا کونہ بچھایا۔ پھر اخیر میں رضاعی بھائی تشریف لائے تو حضور کھڑے ہو گئے اور انھیں اپنے سامنے بٹھایا۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے خود حضور کا قیام ثابت ہے۔

اس حدیث کے جواب میں منکرین قیام کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ رضاعی بھائی کے لئے حضور کا قیام اکرام کے لئے نہیں تھا بلکہ جگہ بنانے کے لئے تھا۔ کیونکہ حضور اگر اکرام کے لئے قیام فرماتے تو ماں باپ اس کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت مصنف نے اس کا جواب دیا ہے کہ اوّل تو اس حدیث میں ان کے لئے قیام کی نفی نہیں ہے اور عدم ذکر سے عدم قیام کا ثبوت نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ بٹھانے کے لئے اپنی چادر بچھا دینا ان کے اکرام کے لئے بہت کافی تھا۔ اور رضاعی بھائی کے سلسلے میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں قام فاجلس بین یدیہ یعنی حضور کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے انھیں بٹھایا۔ اگر جگہ کی قلت کی وجہ سے حضور کا قیام ہوتا تو حدیث کے الفاظ یہ ہوتے کہ حضور کھڑے ہوئے اور اپنی جگہ پر انھیں بٹھایا۔ دوسرے یہ کہ جگہ بنانے کے لئے کھسک جانا کافی تھا کھڑے ہونے کی کوئی حاجت نہیں تھی۔

قیام تعظیمی کی تیسری دلیل

فتح مکہ کے دن ابوجہل کے بیٹے حضرت عکرمہ خوف کی وجہ سے یمن کی طرف بھاگ گئے

تھے۔ اسی حالت میں انھیں خدا نے توفیق دی اور وہ اسلام لے آئے۔ اس کے بعد ان کی اہلیہ انھیں اپنے ہمراہ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جیسے ہی حضور نے انھیں دیکھا جذبۂ مسرت میں کھڑے ہو گئے اور ان کا استقبال کیا۔

اسی طرح فتح خیبر کے دن حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جب حبشہ سے واپس تشریف لائے تو حضور نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا اور فرمایا کہ میں نہیں بتا سکتا کہ جعفر کے آنے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے۔

اسی طرح کی ایک حدیث ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بھی منقول ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضور کے منہ بولے بیٹے حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو اس وقت حضور میرے حجرے میں تشریف رکھتے تھے، میں نے دیکھا کہ حضور انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور انھیں گلے سے لگا لیا۔

ان تینوں حدیثوں میں دوسروں کے لئے خود حضور کا قیام کرنا ثابت ہوا۔ اور اس بنیاد پر یہ کہنا صحیح ہے کہ نہ صرف یہ کہ دوسرے کے لئے قیام کرنا جائز ہے بلکہ سنت رسول بھی ہے۔

قیام تعظیمی کی چوتھی دلیل

حضرت ابو داؤد نے اپنی سنن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہم لوگوں کے ساتھ بات کرتے تھے اور سلسلۂ گفتگو ختم ہو جانے کے بعد جب حضور کھڑے ہوتے تو ہم لوگ بھی کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک کہ حضور اپنے دولت کدے میں داخل نہ ہو جاتے۔

اس حدیث سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صحابۂ کرام کا کھڑا ہونا اور کھڑا رہنا ثابت ہو گیا۔

قیام تعظیمی کی پانچویں دلیل

اس حدیث کو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ابو داؤد، ترمذی، اور حاکم نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب حضور کے پاس تشریف لاتی تھیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لئے قیام فرماتے تھے اور ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :
قَامَ اِلَیْهَا فَقَبَّلَهَا ثُمَّ اَخَذَ بِیَدِهَا حَتّٰی یُجْلِسَهَا فِیْ مَکَانِهٖ ــــــ
یعنی حضور کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے ان کی پیشانی چومتے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ اس حدیث سے بھی دوسروں کے لئے حضور کا قیام ثابت ہو گیا۔

منکرین قیام کی طرف سے اس حدیث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے لیے حضور کا قیام اکرام کے طور پر نہیں تھا بلکہ جگہ کی تنگی تھی اس لئے جگہ بنانے کے لئے تھا۔ فاضل مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جگہ بنانے کے لئے کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں تھی صرف کھسک جانا کافی تھا۔ اور اگر جگہ اتنی تنگ تھی کہ دو آدمی کے بیٹھنے کی گنجائش نہیں تھی تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور انھیں بٹھا کر باہر چلے جاتے ہوں حالانکہ کسی حدیث میں ایسی روایت نہیں ملتی۔

اس مقام پر فاضل مصنف نے امام بیہقی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ القیام علی وجه الاکرام جائز کقیام الانصار لِسَعْدٍ وقِیَامُ طلحةَ لکَعْبٍ۔ یعنی کسی کے اکرام و تعظیم کے لئے قیام کرنا جائز ہے جیسے انصار کا قیام حضرت سعد کے لئے اور حضرت طلحہ کا قیام حضرت کعب کے لئے۔

قیام تعظیمی کی چھٹی دلیل

حضرت ابو داؤد کی یہ حدیث ہے جسے انھوں نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت فاطمہ اٹھنے، بیٹھنے، بات چیت اور اپنی جملہ عادات و اطوار میں حضور کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتی تھیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے جاتے تو وہ حضور کے لئے تعظیماً کھڑی

ہوجاتی تھیں اور حضور کے دستِ مبارک کا بوسہ لیتی تھیں اور انھیں اپنی جگہ پر بٹھاتی تھیں۔

اس حدیث کی روشنی میں حضور کے لیے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا قیامِ تعظیمی ایک آدھ بار کا نہیں تھا بلکہ پوری زندگی ان کا معمول ہی یہ تھا۔ پھر یہ بات بھی گہرائی میں اتر کر سوچنے کی ہے کہ اگر ان کا یہ قیام تعظیمی حضور کے نزدیک ناجائز ہوتا تو حضور اس فعل سے انھیں یقیناً روک دیتے۔ لیکن جب حضور نے اپنے قیام تعظیمی سے انھیں نہیں روکا تو چودھویں صدی کے لوگوں کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہمیں حضور کے قیام تعظیمی سے روکیں۔

قیام تعظیمی کی ساتویں دلیل

یہ حدیث حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے امام طبرانی اور خطیب بغدادی نے روایت کی ہے جیسا کہ کنز العمال میں اس کی صراحت موجود ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہر شخص اپنی جگہ سے لپنے بھائی کے لئے اٹھے مگر بنو ہاشم دوسرے کے لئے نہ اٹھیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ یقومُ الرجُل مِن مجلسہ لاخیہ الا بنو ھاشم لَا یَقُومونَ لِاحِد۔ اس حدیث سے دوسرے کے لئے قیام تعظیمی کا نہ صرف جواز ثابت ہوا بلکہ استحباب بھی ثابت ہوگیا کیونکہ امر کا ادنیٰ درجہ استحباب ہے۔

اور علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں لکھا ہے کہ قیام نہ کرنے کی وجہ سے اگر فتنہ کا اندیشہ ہو تو قیام کرنا واجب ہے۔ ان کے فتوے کی عبارت یہ ہے۔ ان ترکہ الاٰن صَارَ عَلَمَاعَلی القطیعَةِ وَوَقُوعِ الفتنہ فیجب دفعا لذالك۔

قیام تعظیمی کی آٹھویں دلیل

اس حدیث کی بخاری، مسلم، امام احمد، نسائی اور ابو داود نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اذا رَأیتُمُ الْجَنَازَةَ فَقُوْمُوْالَهَا جب تم جنازہ دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہوجاؤ۔

اسی مضمون کی ایک اور حدیث بخاری، مسلم، امام احمد، ابو داؤد، نسائی اور ترمذی

نے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اذا رأیتم الجنازۃ فقوموا لھا حتی یخلفکم او یوضع۔ جب تم کوئی جنازہ دیکھو تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اس وقت تک کھڑے رہو جب تک کہ وہ اوجھل نہ ہو جائے یا زمین پر اتار کر رکھ نہ دیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے بھی جنازے کے لئے قیام کا حکم صراحت کے ساتھ ثابت ہوگیا ہے۔

قیام تعظیمی کی نویں دلیل

یہ حدیث ہے جسے بخاری، مسلم اور امام احمد ابن حنبل رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضرت سہل ابن حُنیف اور حضرت سعد ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔

یہ حضرات بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ قادسیہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ایک جنازہ لے کر ادھر سے گزرے۔ ہم لوگ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اس پر کچھ لوگوں نے کہا کہ یہ جنازہ غیر مسلم کا ہے۔ ہم نے انھیں جواب دیا کہ ایک بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک یہودی کا جنازہ گزرا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضور! یہ یہودی کا جنازہ ہے۔ ارشاد فرمایا کیا وہ جان نہیں ہے۔

اس حدیث کو ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب منتقی الاخبار میں نقل کیا ہے۔

قیام تعظیمی کی دسویں دلیل

طبرانی اور کنز العمال میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارے سامنے سے کوئی جنازہ گزرے تو اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور یہ قیام ان فرشتوں کے لئے ہے جو اس جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

اس حدیث سے نہایت صراحت کے ساتھ فرشتوں کے لئے قیام تعظیمی ثابت

۔یہ بھی ثابت ہوگیا کہ قیام تعظیمی کے لئے دیکھنا ضروری نہیں ہے۔ بغیر دیکھے بھی کسی کے لئے قیام کیا جاسکتا ہے۔ یہیں سے اس سوال کا جواب بھی ہوگیا جو قیام وسلام کے موقعہ پر ہم سے کیا جاتا ہے کہ کیا تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہو جو ان کے لئے قیام کرتے ہو۔

پچھلے صفحات میں جنازے کے لئے قیام کرنے کی جو حدیثیں گزری ہیں اس حدیث سے اس بات کی اچھی طرح وضاحت ہوگئی کہ قیام کا حکم ان فرشتوں کی تعظیم کے لئے ہے جو جنازہ کے ساتھ چلتے ہیں۔

فاضل مصنف کی ایک ایمان افروز عبارت

قیام تعظیمی کے ثبوت میں یہ ساری حدیثیں پیش کرنے کے بعد حضرت مصنف نتیجے کے طور پر تحریر فرماتے ہیں۔

> اس تقریر سے کئی قیام شرعاً ثابت ہوگئے۔اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام عرض کرتے وقت کھڑے رہنے میں تشبہہ بالعبادۃ ہے اور وہ جائز نہیں۔ بلکہ جب جنازہ وغیرہ کے واسطے عموماً قیام ضروری ہوا تو نبی پاک کے لئے بطریق اولیٰ ضرور ہوگا۔ (ص۱۶۸)

قرآن میں منصبِ رسالت کی تعظیم کا حکم

فکر انگیز اور بصیرت افروز دلائل کے ساتھ قیام تعظیمی کے جواز کی بحث مکمل کرلینے کے بعد فاضل مصنف نے رسالت کی تعظیم وادب کے موضوع پر عشق وعقیدت اور ایمان وعرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں ان کی خوشبو سے اپنی مشام جان کو معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

چند آیات واحادیث و آثار یہاں لکھے جاتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ دین میں ادب کی کس قدر ضرورت ہے۔ لیکن پہلے یہ بات معلوم کرنی چاہیئے کہ جب تک کسی کی عظمت دل میں نہیں ہوتی ادب کا فعل صادر نہیں ہوتا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کو مختلف پیرایے میں بیان فرمایا ہے۔ (ص۱)

قرآن حکیم میں جن آیتوں کے ذریعہ اہلِ ایمان کو تعظیم نبی کا صریح حکم دیا گیا ہے وہ دو ہیں۔

پہلی آیت

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ۝

بیشک ہم نے آپ کو شاہد اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تاکہ (اے لوگو) تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس رسول کی تعظیم و توقیر بجالاؤ اور صبح و شام خدا کی تسبیح و تقدیس کرو۔

اس آیت کریمہ میں رسول کو بھیجنے کے تین مقاصد بیان کئے گئے ہیں،
پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائیں۔
دوسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ اُس رسول کی تعظیم و توقیر بجالائیں۔
تیسرا مقصد یہ ہے کہ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس کریں۔
گہری نظر سے اس آیت کریمہ کا مطالعہ کیجئے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ رسول کی تعظیم و توقیر کوئی سطحی اور ضمنی چیز نہیں ہے بلکہ جس طرح ایمان باللہ والرسول اور عبادت خداوندی رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد ہے اسی طرح رسول کی تعظیم و توقیر بھی بعثت رسول کا مقصود اعلیٰ ہے لیکن کس قدر حسرت و افسوس کی بات ہے کہ

لوگ عبادت پر تو بہت زیادہ زور دیتے ہیں لیکن رسول کی تعظیم و توقیر کی کوئی اہمیت نہیں محسوس کرتے۔ حالانکہ ترتیب کے لحاظ سے دیکھئے تو آیت کریمہ میں ایمان کے بعد رسول کی تعظیم و توقیر ہی کا درجہ ہے۔ عبادت تو یہاں بالکل تیسرے نمبر پر ہے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ آیت کریمہ میں رسول کی تعظیم و توقیر کے لئے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی کہ تعظیم و توقیر کا حکم ہم کس طرح بجالائیں۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ رسول کی عزت و تکریم کے اظہار کے لئے قیامت تک جتنے بھی جائز طریقے ممکن ہوسکتے ہیں وہ سب اس مامور بہ کے عموم میں داخل ہیں۔ اب کسی بھی طریقۂ تعظیم کے لئے دلیل خاص کا مطالبہ کرنا قرآن فہمی کے اصولوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ نوٹ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> آیۃ شریفہ کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر آپ کی بعثت مبارکہ کا مقصود اصلی ہے جسے حق تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ لام کے تحت بیان فرمایا ہے۔ ص ۱۷۹

دوسری آیت کریمہ

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝

پس جو لوگ نبی پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم کی، اور ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نجات و فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس سے صاف ظاہر ہے کہ بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کے نجات ممکن نہیں ہے کیونکہ اہلِ بلاغت جانتے ہیں کہ ترکیب أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ٥ کی حصر کے لئے ہے۔ یعنی رستگاری اور نجات خاص اُنہی لوگوں کے لئے ہے جن میں یہ صفات موجود ہیں۔

اسی وجہ سے عظمت اور ہیبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کے دلوں پر کچھ اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ باوجود اس خُلقِ عظیم کے جس سے جانی دشمن حلقہ بگوشں اور وحشی صفت بیگانے بھی مانوس ہو گئے اور باوجود کمال عشق و محبّت کے صحابہ آنکھ بھر کے چہرۂ مبارک کی طرف نہیں دیکھ سکتے تھے اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ کوئی بات یا مسئلہ بے تکلف پوچھ لے۔ (ص ۱۸۰)

قرآن حکیم کی ان دو آیتوں میں نہایت اہتمام و صراحت کے ساتھ تعظیم رسول کا حکم دیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ قرآن کی بے شمار آیتیں ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ رب العزۃ کی جناب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ کیا ہے ؟ اور خداوند ذوالجلال نے ان کی رفعت شان کا کس درجہ اہتمام فرمایا ہے۔ اور اس حقیقت کو تو قرآن کا ہر صفحہ بے نقاب کرتا ہے کہ اللہ کی رضا رسول کی مرضی کے ساتھ منسلک ہے۔ اور رحمت و تقرب کا دروازہ ان لوگوں پر ہمیشہ کے لئے مقفل ہے جو رسول کی طرف سے اپنے دلوں میں کدورت یا ہمسری و سرکشی کا شائبہ بھی رکھتے ہیں۔

اس دعوے پر فاضل مصنف نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں سے اثبات انداز استدلال فرمایا ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد ہر صحت مند دل عشق و عقیدت کے سوز و گداز اور کیف و سرور کی لذتوں میں ڈوب جاتا ہے۔

خصوصیت کے ساتھ ہر آیت کے ذیل میں فاضل مصنف نے جو علمی نکتے ارشاد فرمائے ہیں وہ حرز جاں بنا لینے کے قابل ہیں۔ اب دل کے اخلاص اور دیدۂ شوق کی طہارت کے ساتھ ان آیات کا مطالعہ فرمائیں۔

تیسری آیت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ عَلٰى بَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ٥

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ اور ان سے اونچی آواز میں اس طرح بات نہ کرو جس طرح تم ایک دوسرے سے اونچی آواز میں بات کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے سارے اعمال حبط ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

تشریح

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب چند صحابۂ کرام حضور کے سامنے چلّا چلّا کر بات کر رہے تھے۔ جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھائی کہ اب میں حضور سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی شخص راز کی بات کرتا ہے۔

اسی آیت کریمہ کے زیر اثر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور سے اتنی دھیمی آواز میں بات کرتے تھے کہ حضور کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی تھی۔

اور حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس پر تو اس آیت کریمہ کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ شدت اضطراب سے اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے۔ وہ اپنے پاس آنے جانے والوں سے کہتے تھے کہ چونکہ خلقی طور پر میری آواز بلند ہے اس لئے میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے۔ اور میں جہنم کا مستحق ہو گیا۔

اس غم میں کئی دن تک وہ اپنے گھر سے باہر نہیں نکلے یہاں تک کہ ایک دن خود حضور جان نور نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ کہاں ہیں۔ تفتیش حال کے لئے جب

صحابۂ کرام اُن کے گھر گئے تو انھوں نے بتایا کہ میری ہی آواز حضور کی آواز پر بلند ہوتی تھی اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اب میرے سارے اعمال حبط ہو گئے اور اب میرا ٹھکانہ جہنم کے سوا اور کہاں ہے۔ حضور کے سامنے جب لوگوں نے یہ سارا قصہ بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ وہ جنتی ہیں۔ چنانچہ حضور کی بشارت کے مطابق جنگ یمامہ میں انھوں نے منصب شہادت پر سرفراز ہو کر ظاہری طور پر بھی جنت کا استحقاق حاصل کر لیا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نے آدمی بھیج کر انھیں اپنے پاس بلایا اور ارشاد فرمایا کہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم دنیا میں خیر و فلاح کی زندگی گزارو اور خدا کی راہ میں شہید کئے جاؤ۔ اور جنت کا دائمی عیش تمہیں گلے لگائے۔ انھوں نے جواب دیا! یارسول اللہ! دل کی پوری بشاشت کے ساتھ میں اس پر راضی ہوں۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے تاثرات ملاحظہ فرمائیے۔

> اب ہر عاقل کو چاہئے کہ اس پر قیاس کرے کہ جب ادنیٰ بے ادبی کا یہ عبرتناک انجام ہے تو صریح گستاخیوں کا کیا انجام ہوگا۔ یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے کہ اتنی سی بے ادبی کی جو اتنی سخت سزا مقرر کی گئی ہے تو اس کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کوئی درخواست نہ تھی بلکہ اس کا منشا صرف غیرتِ الٰہی تھا کہ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح کسر شان نہ ہو۔

فاضل مصنف کے تبصرے کا یہ آخری حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے

> اسی وجہ سے صحابہ ہمیشہ خائف و ترساں رہتے تھے کہ کہیں ایسی کوئی حرکت صادر نہ ہو جس سے غیرتِ الٰہی جوش میں آجائے۔ پھر جب آنحضرت اس عالم سے تشریف لے گئے تو کیا حضرت کی محبوبیت

یا غیرت کبریائی میں کوئی فرق آگیا۔ نعوذ باللہ من ذالک کوئی مسلمان بھی اس کا قائل نہ ہوگا کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں کسی قسم کا تغیر ممکن نہیں ہے۔

پس ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اس آیت کریمہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظاہر و باطن میں ایسا مؤدب رہے جیسے صحابہ رہتے تھے۔ اور یہ نہ سمجھے کہ صرف حضرت کے روبرو ادب کی ضرورت تھی اب نہیں ہے۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ حامی ہے۔ (صـــ ۲۰۶)

چوتھی آیت کریمہ

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ۝

بیشک جو لوگ رسول اللہ کے حضور میں دھیمی آواز سے بات کرتے ہیں، انہی لوگوں کے دلوں کو خدائے کردگار نے تقویٰ کے لئے منتخب کرلیا ہے انہی لوگوں کے لئے مغفرت وبخشش اور اجر عظیم ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں "دل کا تقویٰ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ اسی کے متوازی "دل کا مرض" ہے جس کا تذکرہ قرآن نے منافقین کے بارے میں ان لفظوں میں کیا ہے۔ وَفِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا اور ان کے دلوں میں مرض ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کے مرض بڑھاتا رہتا ہے۔ یہ بات اگر سمجھ لی جائے کہ دل کا مرض کیا ہے اور وہ بڑھتا کس طرح ہے تو دل کا تقویٰ بھی سمجھ میں آجائے گا۔

منافقین کی اس ناپاک سرشت سے ساری دنیا واقف ہے کہ وہ ایک طرف

اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے تھے نماز میں بھی شریک ہوتے تھے اور دوسری طرف رسول کے خلاف دل میں کینہ بھی رکھتے تھے۔ اور دشمنوں سے مل کر ان کے خلاف طرح طرح کی سازش بھی رچاتے تھے۔ اسی باطنی خبث کا اثر تھا کہ حضور کو جب کوئی تکلیف پہنچتی تو وہ خوشی مناتے اور جب حضور کی جلالت شان، اور فتح و کامرانی کی کوئی بات ظاہر ہوتی تو وہ جلن کی آگ میں سلگنے لگتے۔

رسول کی عظمتوں سے جلنا اور ان کی رفعت شان کے اظہار پر سلگنا، یہی ان کے دل کا مرض تھا۔ اور جب ان کے دل کی خواہش کے خلاف خدا کی طرف سے کوئی ایسا واقعہ رونما ہوجاتا یا کوئی ایسی آیت اترتی جس سے حضور کی شان شوکت میں چار چاند لگ جاتے تو ان کے چہروں پر ذلت و نامرادی کی پھٹکار برستی اور اندر ہی اندر وہ سلگنے لگتے۔ اسی کیفیت کو قرآن نے مرض کے بڑھنے سے تعبیر کیا ہے۔

اب اس کے برعکس حضور کی عظمت شان کے اظہار پر ایک سچے مسلمان کو جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کا نام "دل کا تقویٰ" ہے۔ دل کا تقویٰ اگرچہ ماتھے کی آنکھ سے نظر آنے کی چیز نہیں ہے لیکن حرکات و سکنات، نقوش و الفاظ، اور گفتار و کردار سے محسوس کی چیز ضرور ہے۔ قرآن کی اصطلاح میں ایک صحت مند دل اور ایک بیمار دل کے درمیان جوہری فرق یہی ہے کہ ایک صحت مند دل حضور کی تعریف سن کر فرط مسرت میں اچھلنے لگتا ہے اور اپنی پاکیزہ تمناؤں کے ساتھ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع اسے بار بار میسر آئیں۔ جبکہ بیمار دل، حضور کی تعریف سن کر اور بیمار پڑجاتا ہے اور ہر وقت اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ اس طرح کے مواقع کبھی وجود میں نہ آئیں۔

چشم بصیرت وا ہو تو دونوں طرح کی یہ کیفیت آپ کو اپنے پڑوس ہی میں نظر آجائے گی۔

اتنی تمہید کے بعد اب اس آیت کے ذیل میں فاضل مصنف کی اس مہکتی ہوئی عبارت سے اپنا دماغ معطر کیجئے۔

> سبحان اللہ! کس قدر رحمت وفضل کا دریا موجزن ہے ادب والوں کے لئے کہ اگرچہ گنہگار ہوں ان کے لئے مغفرت کی بشارت بھی ہے

اور بہت بڑے اجر و ثواب کا وعدہ بھی۔

اس آیت شریفہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ادب ہر کس و ناکس کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ دولت انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جن کے قلوب امتحانِ الٰہی میں پورے اتریں۔ (صـ۲۰۶)

پانچویں آیت

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر لوگ بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ لوگ صبر سے کام لیتے یہاں تک کہ آپ خود ان کی طرف تشریف لے جاتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر تھا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں خاص طور پر دو باتیں نوٹ کرنے کی ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ پیغمبر کا منصب ہے کہ بندوں کو خداوند ذوالجلال کے دربار میں حاضری کے آداب سکھلائے۔ لیکن یہاں الطاف کریمانہ کا یہ جلوہ ماتھے کی آنکھوں سے دیکھئے کہ معبودِ حقیقی اپنے ایک بندے کے دربار میں حاضری کے آدابِ خود اپنے بندوں کو سکھلا رہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس غلط فہمی کی کوئی گنجائش ہے کہ ایسا بندہ ہماری ہی طرح ایک نادان، بے خبر اور بے وقعت بندہ ہوگا۔ معاذاللہ!

ذرہ برابر بھی کسی کے دماغ میں جوہرِ لطیف کا حصہ ہے تو اسے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہوگی کہ وہ بندہ جس پایے کا رسول ہے یقیناً اسی پایے کا محبوب بھی ہے۔ کیونکہ اس طرح کا معاملہ حاکم و بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہے یا پھر اپنے کسی خاص الخاص محبو۔

کے ساتھ! تیسری کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قرآن صرف خدا کی عبادت کا ڈھنگ بتاتا ہے رسول کی تکریم و آداب کے طریقے بدعتیوں نے نکالے ہیں، وہ عبرتناک قسم کی غلط فہمی یا بددیانتی میں مبتلا ہے۔؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ دل کی کیفیت کے اعتبار سے جرم کی سزائیں مختلف ہوتی ہیں اگر کوئی جرم عمداً سرزد ہوا ہے تو اس کی سزا سخت ہوتی ہے اور سہواً ہوا ہے تو سزا میں تخفیف کر دی جاتی ہے۔ قصد و بلا قصد کی بنیاد پر سزاؤں کا یہ فرق قانون کی نظر میں بھی مسلّم ہے۔

یہاں صورت حال بتا رہی ہے کہ حجروں کے پیچھے سے رسول کو پکارنے والے اہانت کی نیت سے نہیں پکار رہے تھے بلکہ بارگاہ رسالت کے آداب سے بے خبری کے نتیجے میں ان سے یہ غلطی سرزد ہو گئی —— دلوں کا حال کوئی جانے نہ جانے پر اللہ تو ضرور جانتا ہے۔ اسی لئے آپ دیکھ رہے ہیں کہ کتنے نرم لب و لہجہ میں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ کسی کو بے عقل یا بے وقوف کہہ دینا کوئی بڑی مذمت نہیں ہے اور پھر اسی کے بعد ہی وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کا مرہم تسکین کیا ان لفظوں کا کرب کسی کو محسوس ہونے دے گا۔؟

لیکن اب آئیے تصویر کے دوسرے رُخ کا بھی مطالعہ کریں۔ اسی قرآن میں کچھ گستاخ ایسے بھی نظر آتے ہیں جنھوں نے رسول کی حرمت کو دیدہ و دانستہ اہانت کے کلمات سے مجروح کیا ہے۔ ان کے بارے میں قرآن کا رویہ اتنا سخت ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پوری سورۂ لہب خدا کے قہر و جلال کی ایسی دہکتی ہوئی آگ ہے جس میں ابولہب آج تک سلگ رہا ہے۔ کفر و شرک کا جرم تو اس نے اپنی زندگی میں ہزاروں بار کیا ہوگا پھر بھی مشیت الٰہی کی غیرت جوش میں نہیں آئی۔ لیکن رسول کے ساتھ گستاخی کا ایک جرم سرزد ہوا تو سارا جہنم ابل پڑا اس پر بھی اور اس کی جورو پر بھی۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مجرم کے ساتھ ساتھ مجرم کے حامیوں اور ساتھیوں کی بھی پکڑ ہوتی ہے۔

آپ اپنا مطالعہ جاری رکھیں گے تو آپ کو اسی قرآن میں وہ گستاخ بھی ملے گا جس کے دس عیوب قرآن نے کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں یہاں تک کہ اخیر میں اس کے نسب کا پول بھی کھول دیا ہے۔ پھر جس منہ سے اس نے رسول کی شان میں

گستاخی کا جملہ نکالا تھا اسے سُور کی تھوتھنی قرار دے کر اس پر دائمی عذاب کی مہر بھی لگا دی ہے۔ کتاب کے ضخیم ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس طرح کے بے شمار مقامات میری نظر میں تھے۔ اس لئے اتنے ہی پر بس کرتے ہوئے اب میں پھر آپ کی گرانقدر توجہ حضرت فاضل مصنف کے ان ایمان افروز ارشادات کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں جو اس آیت کریمہ کے ذیل میں انھوں نے ثبت فرمائے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> اس آیت شریفہ میں جن لوگوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برآمد ہونے کا انتظار نہ کرکے انھیں پکارنا شروع کیا ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے کہ وہ بے عقل ہیں۔ اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ ان کے دماغوں میں کچھ فتور تھا جس کی وجہ سے ان کو مجنون کہا گیا یا کوئی اور بات ہے۔
>
> یہ کسی کتاب میں بھی نہ ملے گا کہ وہ چند دیوانے تھے جو اتفاق کرکے آئے اور گڑ بڑ کرکے چلے گئے بلکہ کتب احادیث وتفاسیر سے ثابت ہے کہ بہت بڑے ہوشیار اور ساری قوم کے مدبّر لوگ منتخب ہوکر اس غرض سے آئے تھے کہ شعر وسخن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر اور خطیب پر سبقت لے جائیں باوجود اس کے بے وقوف بنائے جارہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ منشا اس کا کچھ اور ہے۔
>
> دراصل بات یہ ہے کہ جب تک کسی کے عقل سلیم میں کجی نہیں ہوتی بزرگوں کی برابری کا دعویٰ نہیں کرتا۔ اگر کچھ بھی عقل ہو تو آدمی سمجھ سکتا ہے کہ برگزیدگان حق کے ساتھ برابری کیونکر ہوسکے گی اس لئے کہ یہ تو حق تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے۔
>
> الحاصل حماقت اور بے وقوفی بے ادبوں کی نص قطعی سے ثابت ہوگئی۔ (ص ۲۰۹)

چھٹی آیت

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَاءِ بَعْضِکُمْ بَعْضًا۔

تم اپنے درمیان رسول کے پکارنے کو ایسا مت ٹھہراؤ جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

تشریح

اس آیت کریمہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں بہا کلمات ملاحظہ فرمائیے کہ حضرت موصوف نے اپنے علم وفضل کے کیسے کیسے جواہرات بکھیرے ہیں۔ تفسیر درمنثور کے حوالہ سے ارشاد فرماتے ہیں:

بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نام اور کنیت کے ساتھ پکارتے تھے جیسے کوئی اپنے بھائی کو پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح پکارنے سے لوگوں کو منع کر دیا اور تاکید فرمائی کہ کامل عجز ونیاز کے ساتھ یارسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر انھیں پکارا کریں جس سے عظمت وشرف اور تعظیم وتوقیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر ہو۔

حق تعالیٰ کو اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ کوئی شخص اس کے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر پکارے۔ اور طرفہ یہ ہے کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہیں فرمایا۔ بلکہ جب بھی خطاب کیا یا ایہا النبیؐ وغیرہ صفات کمالیہ کے ساتھ ہی انھیں خطاب کیا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ کمال درجہ کی عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لوگوں پر ظاہر کرنا حق تعالیٰ کو منظور ہے۔ ورنہ وہی حضرت آدم اور دوسرے انبیائے اولوالعزم کو ان کی جلالت شان کے باوجود نام ہی کے ساتھ خطاب فرماتا ہے۔ (ص۲۰۵)

اس کے بعد حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک عجیب غریب نکتے کا افادہ فرمایا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہاں سے ایک بات اور بھی معلوم ہوئی کہ قرآن شریف میں گویا ایک طرح کا التزام نعت نبوی کا رکھا گیا ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ پکارنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو پکارا جائے وہ اپنی ذات کے ساتھ متوجہ ہو جائے۔ اب اگر کسی کو صرف اس کے نام کے ساتھ پکارا جائے تو اس سے صرف اتنا ہی مقصد حاصل ہوگا کہ وہ اپنی ذات کے ساتھ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے گا لیکن اگر اس کے کسی وصف خاص کے ساتھ پکارا جائے تو توجہ کے ساتھ ساتھ اس کی عظمت و تعریف کا اظہار بھی ہو جائے گا۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہہ کر پکارنے سے جہاں یہ مقصد حاصل ہوتا ہے کہ جسے پکارا جا رہا ہے وہ پکارنے والے کی طرف متوجہ ہو جائے وہیں دوسرا مقصد یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہر پکار میں حضور کی نبوت و رسالت کا بھی اظہار ہوتا رہے گا جو حضور کے جملہ اوصاف میں سب سے بڑا وصف ہے بلکہ جملہ اوصاف و کمالات کا مدار وہی ہے۔ (ص۲۰۹)

ایک اعتراض اور اس کا جواب

حضرت فاضل مصنف نے اس آیت کریمہ کے ذیل میں ایک اعتراض اور اس کے جواب میں نہایت شاندار بحث فرمائی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

یہاں ایک اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ ابو امامہ ابن سہیل سے جو حدیث نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، امام احمد ابن حنبل، حاکم اور بیہقی نے روایت کی ہے اور حاکم نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور شیخین کی شرط پر ہے۔ اُس میں یہ واقعہ

نقل ہوا ہے کہ جس زمانے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تخت خلافت پر جلوہ فرما تھے، ایک صاحب ان کی خدمت میں کسی ضرورت سے ہر روز حاضر ہوتے تھے لیکن وہ ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔

ایک دن انھوں نے یہ واقعہ حضرت عثمان ابن حُنَیف سے بیان کیا۔ انھوں نے مقصد کی کامیابی کے لئے انھیں ایک عمل بتایا اور کہا کہ وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو اور دُعا کے بعد اپنا مقصد عرض کرو۔ خدا نے چاہا تو تمہارا کام بن جائے گا۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَ اَتَوَجَّهُ اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ يَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّهُ بِكَ اِلٰى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ لِتُقْضٰى لِیْ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔

اس دُعا کا ترجمہ یہ ہے:

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا محمد میں آپ کے وسیلے سے اپنی حاجت کے بارے میں اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری کی جائے۔ تو آپ میرے بارے میں خدا کے حضور سفارش کر دیجئے۔

چنانچہ انھوں نے اسی ترکیب کے ساتھ نماز پڑھی اور دوسرے دن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابھی وہ ان تک پہنچے بھی نہیں تھے کہ دربان نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے پاس پہنچا دیا۔ حضرت عثمان نے پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ انھیں اپنی مسند پر بٹھایا اور فوراً ان کی حاجت پوری کر دی۔ اور فرمایا کہ آئندہ تمہیں کسی طرح کی حاجت پیش آئے تو سیدھے میرے پاس آجایا کرو۔

اُسی دن وہ صاحب حضرت عثمان ابن حُنیف کے پاس گئے اور ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ کی سفارش سے آج حضرت عثمان غنی نے میری حاجت پوری فرما دی اور وہ میرے اوپر اتنے مہربان ہو گئے

کہ آئندہ کے لئے بھی میرا راستہ کھل گیا۔

حضرت عثمان ابن حنیف نے فرمایا کہ میری تو اُن سے ملاقات بھی نہیں ہوئی ہے اس لئے سفارش کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ سارا اثر اسی نماز کا ہے جس کی ترکیب میں نے آپ کو بتائی تھی۔

کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی اسی طرح کا ایک واقعہ پیش آیا تھا۔ حضور کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور اس نے درخواست کی کہ میرے لئے دُعا فرمایئے کہ میں بینا ہو جاؤں۔ حضور نے اسے اسی نماز کی تلقین فرمائی تھی۔ جیسے ہی اس نے دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دُعا مانگی ابھی اپنی جگہ سے اٹھا بھی نہیں تھا کہ اس کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اسی وقت سے حاجت براری کے لئے یہ نماز مسلمانوں میں رائج ہو گئی۔

حضرت امام سخاوی نے اپنی کتاب القول البدیع میں اس نماز کے بارے میں یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد جو دُعا کی جاتی ہے اس میں لفظ محمد کے ساتھ حضور کو ندا کیا جاتا ہے جبکہ قرآن حکیم کی رو سے نام کے ساتھ حضور کو پکارنے کی ممانعت ہے۔

انھوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ چونکہ اس نماز اور دعا کی تعلیم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے اس لئے دعا کے الفاظ میں کسی طرح کا ردّ و بدل نہیں کرنا چاہیے۔ اور اس لئے بھی وہ مناسب نہیں ہے کہ خود نماز کی تاثیر کے ساتھ ان الفاظ کا گہرا تعلق ہے کہ یہ الفاظ حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہیں۔ (ص ۲۵۵)

ساتویں آیت

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا۔	اے ایمان والو! (نبی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے) راعنا مت کہا کرو بلکہ اُنظُرنا کہا کرو۔

تشریح

اس آیت کریمہ کی شان نزول یہ ہے کہ یہودی مذہب کے لوگ جب حضور سے گفتگو کرتے تو حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے رَاعِنَا کہا کرتے تھے۔ جس کا مطلب

یہ ہوتا تھا کہ حضور ہماری رعایت فرمائیں۔ یعنی اچھی طرح بات ذہن نشین کرادیں۔ چنانچہ انھیں دیکھ کر صحابۂ کرام بھی حضور کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے راعِنَا کہنے لگے۔

لیکن یہودیوں کے یہاں رَاعِنَا کا لفظ گالی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا تھا اور یہودی رَاعِنَا کے لفظ سے یہی مراد لیتے تھے۔ اس بنیاد پر حق تعالیٰ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ تم راعِنَا کے بجائے اُنْظُرْنَا کہا کرو یعنی ہماری طرف نگاہ کرم مبذول فرمائیں۔ یعنی وہ لفظ ہی ترک کردو جس میں توہین کا بھی ایک پہلو ہے۔

جب صحابۂ کرام کو معلوم ہوا کہ اس لفظ میں اہانت کا مفہوم بھی شامل ہے تو انھوں نے اعلان کردیا کہ جس کی زبان سے بھی یہ کلمہ سنو اس کی گردن ماردو۔ اس کے بعد پھر کسی یہودی نے اس کلمہ کا استعمال نہیں کیا۔

اب اس آیت کریمہ کے ذیل میں فاضل مصنف کے قلم حقیقت رقم سے نکلے ہوئے یہ گنجہائے گرانمایہ ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> ہر چند صحابۂ کرام اس لفظ کو نیک نیتی سے تعظیم کے محل میں استعمال کیا کرتے تھے مگر چونکہ دوسری زبان میں یہ گالی تھی اس لئے حق تعالیٰ نے اس کے استعمال سے منع فرمادیا۔ اب یہاں ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جس لفظ میں کنایۃً بھی توہین نہ تھی صرف دوسری زبان کے لحاظ سے استعمال اس کا ناجائز ٹھہرا تو وہ الفاظ ناشایستہ جن میں صراحۃً حضور کی کسر شان ہو کیونکر جائز ہوں گے۔ (ص۲۱۳)

فاضل مصنف کا یہ دوسرا پیراگراف بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

> صرف مومنین کو مخاطب کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے الفاظ نیک نیتی سے بھی استعمال کرنا درست نہیں۔ پھر سزا اس کی یہ ٹھہرائی گئی کہ جو شخص یہ الفاظ کہے خواہ کافر ہو یا مسلمان اس کی گردن ماردی جائے۔ بالفرض کوئی مسلمان بھی یہ لفظ کہتا تو اس وجہ سے کہ وہ

حکم عام تھا بیشک اس کی گردن ماردی جاتی۔ اور کوئی یہ نہ پوچھتا کہ اس لفظ سے تمہاری کیا مراد تھی۔

اب غور کرنا چاہیئے کہ جو الفاظ خاص توہین کے محل میں مستعمل ہوتے ہیں انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت استعمال کرنا خواہ صراحتہً یا کنایتہً کس درجہ قبیح ہوگا۔ (صہ ۲۱۲)

اب اس بحث کے خاتمے پر غیرت عشق و وفا میں بھیگے ہوئے حضرت مصنف کے یہ تاثرات پڑھیئے۔ سطر سطر سے لہو کی بوند ٹپک رہی ہے ___ اور لفظ لفظ ایمان کی حرارت سے تپا ہوا ہے:

> اگر صحابہ کے روبرو جن کے نزدیک راعنا کہنے والا مستوجب قتل تھا کوئی اس قسم کے الفاظ کہتا تو کیا اس کے قتل میں کچھ تامل ہوتا یا سزا سے بچنے کے لئے تاویلات بارده کچھ مفید ہوسکتیں ہرگز نہیں۔
>
> مگر اب سوا اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس زمانے کو یاد کرکے اپنی بے بسی پر رویا جائے۔ اب پرانے خیالات والے وہ پختہ کار کہاں ہیں جن کی حمیت نے اسلام کے جھنڈے مشرق و مغرب میں نصب کردیئے تھے۔ ان خیالات کے جھلملاتے ہوئے چراغ کو آخری زمانے کی ہوا نہ دیکھ سکی۔
>
> غرض میدان خالی پاکر جس کو جو چاہتا ہے کمال جرارت کے ساتھ کہہ دیتا ہے۔ پھر اس دلیری کو دیکھئے کہ جو گستاخیاں اور بے ادبیاں قابل سزا تھیں، انہی پر ایمان کی بنا قائم کی جارہی ہے۔ جب ایمان یہ ہو تو بے ایمانی کا مضمون کیا ہوگا۔ ؟ (صہ ۲۱۳)

فاضل مصنف کی یہ عبارت بار بار پڑھیئے اور ہر بار اپنے دل کے کسی روزن سے جھانک کر دیکھئے کہ کیا وہاں غیرت عشق رسول نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ اگر آپ کی غیرت

بیدار ہوتی اور آپ گستاخانِ رسول کے لئے خطرہ بن گئے ہوتے تو ایک بوڑھے مصنف کے قلم کی نوک سے حسرتوں کا یہ خون نہیں ٹپکتا۔

آٹھویں آیت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا
أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ
غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ
إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا وَ
إِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَ
لَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ
ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ
فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ
لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ ۝

اے ایمان والو! نبی کے گھر میں صرف
اس وقت جاؤ جب تمہیں بلایا جائے
اور وہاں بیٹھ کر کھانا پکنے کا
انتظار نہ کرو۔ لیکن جب تمہیں بلایا
جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو
منتشر ہو جاؤ اور باتوں میں دل
لگائے ہوئے وہاں مت بیٹھے رہو۔
کیونکہ اس بات سے نبی کو
اذیت پہنچتی ہے اور وہ فرطِ حیا
سے کچھ نہیں بولتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ
حق بات کہنے سے حیا نہیں فرماتا۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں بھی صحابۂ کرام کو نبی کے کاشانۂ اقدس میں داخل ہونے کے آداب سکھائے گئے ہیں۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ قرآن صرف روزہ و نماز اور عبادات کے احکام سکھانے کے لئے اترا ہے۔ منصب نبوت کا ادب و احترام اس کا موضوعِ سخن نہیں ہے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب فاضل مصنف کی تحریر کے مطالعہ سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے۔ آیت کریمہ کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ایک بار بعض صحابہ کھانا کھانے کے بعد آنحضرت کے دولت خانے میں تھوڑی دیر ٹھہرے رہے جیسا کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔

ان کی وجہ سے حضور نہ اپنے مشاغل میں مصروف ہوسکے اور نہ مروت سے کچھ فرما سکے۔ غرض یہ کہ یہ بات کسی قدر گرانی خاطر کا باعث ہوگئی۔ اور اس کے فوراً ہی بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جس بات سے حضور کو گرانی خاطر مبارک ہو یا کسی قسم کا ملال ہو حق تعالیٰ کو کمال ناپسند اور نہایت ناگوار ہے۔

شاید بعض لوگ یہ سمجھتے ہوں گے کہ قرآن شریف صرف توحید اور احکام معلوم کرانے کے لئے نازل ہوا ہے مگر یقین ہے کہ جب ان آیات میں غور و تامل کیا جائے گا تو ضرور یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ قرآن شریف علاوہ ان احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور آداب سے بھی روشناس کراتا ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنی گرانی خاطر کا لحاظ حق تعالیٰ کو اس قدر ہے تو وہ باتیں جو سراسر کسر شان کی ہیں کس قدر غیرتِ الٰہی کو جوش میں لاتی ہوں گی۔ (ص ۲۱۶)

تعظیم وادب کے سلسلے میں حضور پاک کی عملی تعلیمات

دین میں تعظیم وادب کی اہمیت وضرورت پر قرآن کی آیات کریمہ سے استدلال کرنے کے بعد اب حضرت فاضل مصنف رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی زندگی سے چند ایسے نمونے پیش کر رہے ہیں جس سے ثابت ہوجائے کہ قابل احترام چیزوں کا ادب اور تعظیم اللہ پاک کا حکم بھی ہے اور رسول پاک کی سنت بھی۔
اس موضوع پر حضرت مصنف نے چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

پہلی حدیث

دارقطنی کتاب المجتبیٰ میں حضرت ابوجہم سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حاجت بشری سے فارغ ہو کر بیر جمل کی طرف سے تشریف لا رہے تھے کہ میرا آمنا سامنا ہوگیا۔ میں نے سلام عرض کیا۔ حضور نے جواب دینے میں توقف فرمایا یہاں تک کہ تیمم کرنے کے بعد حضور نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ جواب دینے سے سوا اس کے اور کوئی چیز مانع نہ تھی کہ میں باوضو نہ تھا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّہٗ لَمْ یَمْنَعْنِی اَنْ اَرُدَّ عَلَیْکَ السَّلَامَ اِلَّا اَنِّی لَمْ اَکُنْ عَلٰی طُھْرٍ۔
اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں:

> ظاہر ہے کہ لفظ وعلیکم السلام کچھ آیت قرآنی نہ تھی جسے پڑھنے کے لئے طہارت کا اہتمام ضروری تھا۔ اگرچہ حدث اصغر سے

طہارت آیت قرآنی کی تلاوت کے لئے بھی شرط نہیں ہے۔ لیکن چونکہ سلام حق تعالیٰ کا نام ہے اس وجہ سے بلا طہارت اسے زبان پر جاری کرنے سے تامل فرمایا۔ گویا اس سے اس بات کی تعلیم بھی مقصود تھی کہ ایسے امور سے گو اس کے کرنے کی اجازت ہو، احتراز کرنا اولیٰ اور انسب ہے۔
صـ۲۲۷

دوسری حدیث

سنن ابی داؤد میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ قوم یہود کے چند اشخاص حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست پیش کی کہ تھوڑی دیر کے لئے قف تک تشریف لے چلیں جو مدینہ کے قریب ایک مقام ہے۔ چنانچہ حضور وہاں تشریف لے گئے اور بیت مدراس میں قیام فرمایا۔

حضور کے لئے ان لوگوں نے ایک مسند بچھا رکھی تھی جس پر حضور جلوہ افروز تھے۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اپنا اصل مدعا پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم میں سے کسی شخص نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے۔ اس بارے میں آپ حکم صادر فرمائیں کہ اسے کیا سزا دی جائے۔ اس درخواست کے جواب میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ تورات منگوائی جائے۔

جب وہ لوگ تورات لے کر آگئے تو حضور مسند سے نیچے اتر آئے اور تورات کو مسند پر رکھ دیا کہ میں تجھ پر اور تیرے اتارنے والے پر ایمان لے آیا۔ اس کے بعد فرمایا کہ تمہارے اندر جو بڑا عالم ہو اسے بلا لاؤ۔

چنانچہ ایک جوان آیا اور اس نے تورات سے ثابت کر دیا کہ یہودی مذہب میں زانی کو سنگسار کرنے کی سزا ہے۔ یہودی اس سزا کا انکار کرتے تھے۔ (صـ۲۲۵)

اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

باوجودیکہ اس زمانے میں تورات تحریف و تصحیف سے خالی نہ تھی لیکن حضور نے اس کا بھی احترام کیا کہ خود مسند سے نیچے اتر گئے اور تورات کو مسند پر جگہ دی صـ۲۲۵

تیسری حدیث

مصنف عبدالرزاق کے حوالہ سے صاحب کنزالعمال نے یہ حدیث حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ہم مکہ معظمہ میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ داخل ہوئے۔ اس وقت عین کعبہ شریف میں اور اس کے اطراف وجوانب میں تین سو ساٹھ بت نصب تھے۔ حضور نے انھیں حکم فرمایا اور سارے بت سرنگوں ہوگئے۔ پھر قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًاہ

اس کے بعد خانۂ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھی۔ اس موقعہ پر دیکھا کہ وہاں حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہم السلام کی تصویریں دیواروں پر اس طرح بنائی گئی ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ میں تیر ہے جس کے ذریعہ کفار فال لیا کرتے تھے۔

حضور نے یہ تصویریں دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ مَا کَانَ اِبْرَاهِیْمُ یَسْتَقْسِمُ بِالْاَزْلَامِ "اللہ ان تصویر بنانے والوں کو ہلاک کرے، حضرت ابراہیم تیروں سے فال نہیں لیتے تھے"۔ اس کے بعد حضور نے زعفران منگوا کر اُن تصویروں پر پوت دیا جس سے تصویریں چھپ گئیں۔

اب اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز عبارت چشم عقیدت سے پڑھئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> ظاہر ہے کہ یہ تصویریں بھی بتوں ہی کی قطار میں تھیں جن کی توہین کا حکم صادر ہوچکا تھا۔ علاوہ ازیں ان تصویروں کو ان حضرات سے نسبت ہی کیا تھی وہ تو چند احمقوں نے اپنی طبیعت سے جس طرح چاہا بنا لیا تھا۔ مگر اتنی بات ضرور تھی کہ ان حضرات کا نام ان فرضی تصویروں کے ساتھ منسلک ہوگیا تھا جس کا لحاظ کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مٹایا بھی تو معطر زعفران سے ــــ ورنہ

مٹانے والی چیزوں کی وہاں کچھ کمی نہ تھی۔

سبحان اللہ! کس قدر پاس ادب تھا کہ جہاں بزرگوں کا نام آگیا پھر وہ چیز کسی درجہ کی باطل ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ بھی ایک طرح سے ادب کی رعایت کی گئی۔

اب مقام غور ہے کہ جب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جن کا مرتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء سے بڑھا ہوا ہے ایسی بے اصل چیزوں کے ساتھ بھی صرف نام کا لحاظ کرتے ہوئے ادب کی رعایت فرمائی تو ہم آخری زمانے کے مسلمانوں کو کس درجہ کا ادب ان آثار کے ساتھ کرنا چاہیئے جن کا بطور واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونا لاکھوں مسلمانوں کے عقیدوں سے ثابت ہے۔

اور اگر بالفرض حضور کی طرف ان آثار کی نسبت صحیح بھی نہ ہو تو کم از کم اس کا تو لحاظ رکھنا چاہیئے کہ وہاں حضور کی نسبت تو ہے۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ بجائے نادم ہونے کے لوگ اسی عقیدہ والوں کو الٹا مشرک بناتے ہیں۔ (صـ۲۳۰)

چوتھی حدیث

صحاح ستہ میں حضرت ابو ایوب انصاری سے یہ حدیث مروی ہے کہ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ رفع حاجت کے وقت نہ قبلے کی طرف منہ کرو اور اس کی طرف پیٹھ کرو۔ اور دوسری حدیث میں جسے صاحب کنز العمال نے حضرت سراقہ ابن مالک سے روایت کی ہے، جس میں حضور نے اس حکم کی علت کھول کر بیان کر دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص رفع حاجت کے لئے بیٹھے تو اسے چاہیئے کہ وہ قبلہ کی سمت کا احترام کرتے ہوئے اس کی طرف مُنہ کر کے نہ بیٹھے۔

پھر اسی کنز العمال میں ایک حدیث مرسل بھی ہے جس میں حضور نے ارشاد

فرمایا ہے کہ جو شخص بھول کر قبلہ کی طرف منہ کرکے پیشاب کرنے لگے یا پھر یاد آتے ہی قبلہ کی تعظیم کے خیال سے رخ پھیرلے تو اٹھنے سے پہلے اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف علیہ الرحمہ نے اپنے حقیقت رقم سے علم و عرفان کے جو گل بوٹے کھلائے ہیں اس کی خوشبو سے اپنا دماغ معطر کیجئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> اگر عقل نارسا سے کام لیا جائے تو یہ بات کبھی سمجھ میں نہ آئے گی کہ ان حالتوں میں قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرنا کیوں منع ہوا۔ خصوصاً اس مقام میں جہاں سے کعبہ شریف سینکڑوں ہزاروں کوس کے فاصلے پر ہو۔
>
> اگر اس مقام پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ کعبہ شریف از قسم جمادات ہے۔ اس کی طرف صرف نماز میں متوجہ ہونا امتثال امر کے لئے کافی تھا لیکن ہر وقت اس کی تعظیم دل میں جمائے رکھنا اور حالتِ نماز کے علاوہ دوسری حالتوں میں بھی اس کا ادب ملحوظ رکھنا کیا ضروری ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے امور میں عامیوں کی سمجھ کو کچھ دخل نہیں ہے۔ جو لوگ آداب کی حقیقت اور اس کے تقاضوں سے واقف ہیں ان کی طبیعت خود گواہی دے گی کہ فضیلت و شرافت والی چیزوں کے ساتھ ہر حالت اور ہر وقت میں خواہ قریب ہوں یا بعید مؤدب رہنا ضروری ہے۔ (ص ۲۲۸)

عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت اور دیدۂ عبرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

> جب بیت اللہ شریف کو بہ سبب شرافت یہ رتبہ حاصل ہوا کہ ہر نزدیک اور دور والے پر اس کا ادب ضروری ٹھہرایا گیا تو جسے

ذرا بھی نور بصیرت حاصل ہے وہ سمجھ سکتا ہے کہ خاص حبیب رب العلمین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آداب کی کس قدر ضرورت ہوگی۔

(ص ۲۲۹)

بارگاہِ رسالت میں صحابہ کرام اور اکابرامت کے شیوہائے ادب

اس عنوان کے تحت حضرت فاضل مصنف نے احادیث وسِیَر کی مستند کتابوں سے ایسے ایسے واقعات جمع کئے ہیں کہ انھیں پڑھنے کے بعد ایمانی احساس کو ایک نئی زندگی ملتی ہے اور آدمی شرم سے پانی پانی ہوجاتا ہے کہ منصب رسالت کے آداب کی جن نزاکتوں کو صحابۂ کرام اور اکابرامت نے برت کر دکھایا آج ہم ان سے واقف تک نہیں ہیں عمل کرنا تو بڑی بات ہے۔

اور یہ واقعات ان لوگوں کی پشت پر ایک عبرتناک تازیانہ سے کم نہیں ہیں جو تعظیم وادب کے ہر موقعہ پر ہم سے سوال کرتے ہیں کہ حضور نے کہیں اس کا حکم دیا ہو تو کتابوں میں دکھائیے۔ہم ان سے جواباً عرض کریں گے کہ صحابۂ کرام اور اکابرامت کے یہ واقعات جو آنے والے اوراق میں درج کئے جارہے ہیں آپ انھیں غور سے پڑھیے اور بتائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جس ادب واحترام کا انھوں نے مظاہرہ کیا تھا کیا حضور نے انھیں اس کا حکم دیا تھا۔؟

تلاش بسیار کے بعد بھی آپ کو اس کے بارے میں حضور کا کوئی حکم نہیں ملے گا۔ سوا اس کے کہ صحابۂ کرام اور اکابرامت نے ہر موقعہ پر خود اپنے ایمان کا تقاضا محسوس کیا اور اسے پورا کیا۔لیکن جہاں سرے سے ایمان ہی کا فقدان ہو وہاں ایمان کا تقاضا محسوس کرنے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اب دل کے اخلاص کے ساتھ چشم عقیدت وا کرکے ان واقعات کا مطالعہ کیجئے:

عام صحابہ کا شیوۂ ادب

صحابۂ کرام کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی والہانہ عقیدت و محبت تھی اس کے ثبوت میں مصنف کتاب نے کفارِ قریش کے ایک نمائندے کی زبانی جو ولولہ انگیز شہادت پیش کی ہے، وہ اہلِ ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور جذبۂ شوق کی امنگوں کے لئے ایک نوید جانفزا ہے۔

راویانِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر صنادید قریش نے عُروہ نام کے ایک جہاندیدہ شخص کو حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنا نمائندہ بنا کر وادئ حدیبیہ میں بھیجا۔ اس نے ہر رخ سے حضور کے لشکر کا جائزہ لیا، قدم قدم پر صحابۂ کرام کی جاں نثاری اور والہانہ جذبۂ وارفتگی کے بھی اس نے مناظر دیکھے۔ جب وہ واپس لوٹ کر مکہ گیا تو صنادید قریش کے سامنے جن الفاظ میں اس نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اس نے کہا کہ:

"اے میری قوم! قسم ہے کعبہ کے پروردگار کی کہ میں نے اپنی زندگی میں بہت سے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں۔ قیصر و کسریٰ جیسے سطوت و جبروت والے سلاطین کی پیشگاہوں میں بھی گیا ہوں لیکن جس والہانہ محبت کے ساتھ محمد کے اصحاب محمد کی تعظیم کرتے ہیں اس کی مثال میں نے کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔ میں نے دیکھا کہ جب وہ اپنی ناک صاف کرتے ہیں تو ان کے اصحاب اُسے اپنی ہتھیلیوں پر لے لیتے ہیں اور اسے اپنے جسم اور منہ پر ملتے ہیں اور جب وہ کسی کام کا حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کے لئے ہر شخص ایک دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ اور جب وہ وضو کرتے ہیں تو اعضائے وضو سے جو پانی ٹپکتا ہے اسے حاصل کرنے کے لئے صحابہ اس طرح ایک دوسرے پر گرتے ہیں کہ جیسے جنگ و جدال کی نوبت آجائے گی۔ اور صحابہ کے دلوں پر محمد کی ایسی ہیبت چھائی رہتی ہے کہ کوئی آنکھ بھر کر انھیں نہیں دیکھ سکتا۔"
(المواہب اللدنیہ)

اس واقعہ میں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابۂ کرام کو حضور نے حکم دیا تھا کہ جب میں ناک صاف کروں تو اسے اپنے ہاتھ پر لے کر اپنے چہرے اور جسم پر مل لیا کرو۔ اور جب میں وضو کرنے کے لئے بیٹھوں تو آشفتہ حال پروانوں کی طرح میرے گرد جمع ہو جایا کرو اور قبل اس کے کہ میرے اعضائے وضو سے ٹپکتا ہوا پانی زمین پر گرے تم اسے اپنے ہاتھوں پر روک لو اور اپنے چہرے اور جسم پر ملو۔ بلکہ یہ سارا ہنگامۂ شوق صحابۂ کرام کا خود اپنا برپا کیا ہوا تھا۔ اس کے پیچھے نہ خدا کا کوئی حکم تھا نہ رسول کا۔ جو کچھ بھی تھا وہ خود ان کے ایمان بالرسول کا تقاضا تھا جس کے سمجھنے میں نہ ان سے کوئی غلطی سرزد ہوئی اور نہ نفس کی کوئی شرارت درمیان میں حائل ہو سکی۔

اور یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضور کے حکم کے بغیر صحابۂ کرام کے والہانہ جذبے کا یہ مظاہرہ اگر حرام و ناجائز ہوتا تو حضور یقیناً اپنے صحابہ کرام کو اس سے روک دیتے لیکن حدیث کی کتابوں میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی کہ حضور نے صحابۂ کرام کو اس طرح کے اظہارِ عقیدت سے منع فرمایا ہو۔

ان ساری باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ حضور نہ بھی حکم دیں جب بھی عقیدت و تعظیم کا تقاضا پورا کرنا صحابۂ کرام کی سنت ہے۔ اور دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ تعظیم و عقیدت کا وہ عمل جو کسی حکم منصوص سے متصادم نہ ہو حضور کی طرف سے اس کی عام اجازت ہے۔

جانوروں کا شیوۂ ادب

سنن احمد اور نسائی کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں کسی انصاری کے پاس ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ وہ اپنے باغ میں پانی پٹایا کرتے تھے۔ ایک بار اس کا دماغ خراب ہو گیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی اس کے قریب نہیں جا سکتا تھا۔

اسی درمیان میں وہ انصاری ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کے بگڑنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے کھیت اور باغ مرجھا

رہے ہیں۔

یہ قصہ سن کر حضور اپنے صحابہ کے ساتھ اس باغ میں تشریف لے گئے۔ جب حضور اونٹ کی طرف بڑھنے لگے تو انصاری نے عرض کیا۔ حضور! یہ اونٹ پاگل کتے کی طرح خطرناک ہوگیا ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کردے۔ حضور نے فرمایا لَیْسَ عَلَیَّ مِنْہُ بَاسٌ مجھے اس کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جونہی اونٹ نے حضور کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھا وہ تیزی سے دوڑا اور حضور کے آگے سجدہ ریز ہوگیا۔ حضور نے اس کی پیشانی کا بال پکڑا جس سے وہ بالکل مسخر ہوگیا۔

یہ حدیث حضرت جابر سے بھی مروی ہے۔ ان کی روایت میں بیان واقعہ کے بعد میں اتنا اضافہ ہے کہ حضور کے سامنے اونٹ کا سجدہ ریز ہونا دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا کہ حیوانات و بہائم کے مقابلے میں ہمیں زیادہ حق پہنچتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کریں۔ حضور نے جواب دیا کہ کسی بشر کو جائز نہیں کہ وہ بشر کو سجدہ کرے۔

اس حدیث کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ شاندار تبصرہ پڑھئے۔

> جس کے پاس عقل سلیم اور فہم مستقیم ہو تو وہ سمجھ سکتا ہے کہ کس قدر عظمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابۂ کرام کے پیشِ نظر تھی کہ وہ حضور کو سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوگئے جس میں کمال درجہ کا تذلل ہے۔

عبارت کا یہ ٹکڑا بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی قسم کی عظمت جیسی صحابہ کے دلوں میں تھی ایک مدت تک مسلمانوں کے قلوب میں رہی مگر افسوس کہ چندروز سے پھر وہی مساوات کا خیال آخری زمانے کے بعض لوگوں کے سروں میں سمایا اور گویا یہ فکر شروع ہوئی کہ وہ سب

باتیں جو کفار و مشرکین کیا کرتے تھے تازہ ہو جائیں۔ کبھی اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ میں غور و خوض ہوتا ہے۔ اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ہم لوگوں کو حضرت نے بھائی کہا ہے اس لئے حضرت بڑے بھائی ہوئے۔ اب اس خیال نے یہاں تک پہنچادیا کہ وہ آیات و احادیث منتخب کی جاتی ہیں جن سے ان کے زعم میں منقصت شان نکلتی ہے۔ اور وہ احادیث جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے براہِ تواضع کچھ کہا ہے حضور کی کسرِ شان کے لئے بیان کی جاتی ہیں۔ ص ۱۹۰

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شیوہ ادب

کنز العمال میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار انھوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی۔ اجازت مرحمت فرمانے کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا:

لَا تَنْسَانَا یَا اَخِیْ مِنْ دُعَائِكَ

میرے بھائی! اپنی دُعا میں ہمیں یاد رکھنا

حضرت عمر بیان کرتے ہیں کہ حضور کا یہ ارشاد میرے نزدیک اتنا گراں بہا تھا کہ اس کے مقابلے میں تمام روئے زمین کی سلطنت بھی ہیچ تھی۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد مصنف کتاب نے اُس گستاخ فرقے پر اتنی کاری ضرب لگائی ہے جو حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی ہمسری کا خواب دیکھتا ہے، کہ وہ تلملا اٹھیں گے ارشاد فرماتے ہیں:

حضور کا یہ ارشاد سن کر ایک شخص کے دل کی وہ حالت ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور اس زمانے کے کچھ لوگ اس حدیث شریف سے یہ معنیٰ نکالیں گے کہ اخوت امر اضافی ہے۔ زمانہ کے تقدم اور تاخر سے اگر کچھ فرق ہے تو صرف بڑے اور چھوٹے کا ہے یعنی حضرت

بڑے بھائی ہوئے اور ہم چھوٹے بھائی۔ نعوذ باللہ من ذالک
صـ ۱۹۴

اس کے بعد فرماتے ہیں:

ایسے شخص کو اس حدیث شریف سے اسی قدر حصہ ملا کہ سر میں ہمسری کا سودا سمایا اور یہ خیال آگے بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا کہ اِن کُنتُم اِلّا بَشَرٌ مِّثلُکُم تک پہنچا دیا۔ اب یہ شخص اسی دھن میں ہوگا کہ جہاں خود پہنچا ہے اوروں کو بھی وہیں پہنچا دے۔
شاید اس کے خیال میں یہ بات کبھی نہ آئی ہوگی کہ ہم کہاں اور شان رحمۃ للعالمین وسید المرسلین کہاں ع
چہ نسبت خاک را با عالم پاک
سلاطین اپنے خادموں اور غلاموں کو بھائی کہہ دیا کرتے ہیں بلکہ خود احادیث میں وارد ہے کہ تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں۔ اگر بادشاہ کے کہنے سے خدام اور غلام اپنے آقا کو بھائی سمجھنے لگیں تو وہ نہایت بے ادب اور احمق سمجھے جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ باوجود اپنی قرابت اور جلالت شان کے اپنے آپ کو حضور کا عبد اور غلام کہا کرتے تھے۔ جیسا کہ مستدرک میں حاکم نے حضرت سعید ابن المسیب سے اس مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔
اگر کسی قرابت کا اطلاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درست ہوتا تو وہ والد اور پدر بزرگوار کا تھا کہ ان کی ازواج مطہرات کو حق تعالیٰ نے امہات المومنین یعنی مسلمانوں کی ماں قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود حق تعالیٰ نے اس قرابت کی بھی نفی فرما دی جیسا کہ قرآن کی اس آیت کریمہ مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّن رِّجَالِکُم سے ظاہر ہے یعنی محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ (صـ ۱۹۵)

حضرت ابوبکر صدیق کا شیوۂ ادب

بخاری شریف میں یہ حدیث حضرت سہل ابن سعد ساعدی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلۂ بنی عمرو میں دو فریق کے درمیان صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ حضور اسی قبیلہ ہی میں تشریف رکھتے تھے کہ نماز کا وقت ہوگیا۔ اذان کے بعد جب جماعت کا وقت ہوا تو مسجد نبوی شریف کے مؤذن نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے اقامت پڑھی۔ حضور کی غیر موجودگی میں حضرت ابوبکر صدیق امامت کے لئے آگے بڑھ گئے اور نماز شروع کردی۔

اسی درمیان میں حضور تشریف لائے اور صف میں کھڑے ہوگئے۔

جب نمازیوں نے حضور کو دیکھا تو حضرت ابوبکر صدیق کو خبردار کرنے کے لئے ہاتھ سے دستک دینے لگے۔ جب حضرت ابوبکر نے دستکوں کی آواز سنی تو گوشۂ چشم سے دیکھا کہ حضور ان کے پیچھے صف میں کھڑے ہیں۔ یہ دیکھتے ہی فوراً وہ پیچھے ہٹنے لگے۔ حضور نے انھیں اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔

اس پر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور حضور کی طرف سے اس عزت افزائی پر خدا کا شکر ادا کیا اور پیچھے ہٹ کر صف میں کھڑے ہوگئے۔ اس کے بعد حضور امامت کے مصلے پر تشریف لے گئے۔ جب حضور نماز سے فارغ ہوئے تو ابوبکر صدیق سے دریافت فرمایا کہ جب میں نے خود تمہیں حکم دیا تھا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو تو تمہیں اس حکم کی تعمیل سے کونسی چیز مانع ہوئی!

حضرت ابوبکر نے جواب میں عرض کیا کہ ابوقحافہ کا بیٹا ہرگز اس لائق نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے امام بن کر کھڑا ہو۔

اس واقعہ کا ظاہری پہلو واضح طور پر اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کے حکم کی خلاف ورزی کی لیکن اس کے باوجود وہ نافرمان نہیں کہے جاتے بلکہ حضور کے سب سے بڑے تابعدار کہے جاتے ہیں۔ آخر اس کی

وجہ کیا ہے؟

آپ گہرائی میں اتر کر سوچیں گے تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ نافرمانی سے چونکہ حکم دینے والے کی تحقیر ظاہر ہوتی ہے اس لئے نافرمانی کو بُرا سمجھا جاتا ہے اور اسی کے بالمقابل فرماں برداری سے چونکہ حکم دینے والے کی تعظیم نکلتی ہے اس لئے فرماں بردار کو اچھا کہا جاتا ہے۔

لیکن اگر کسی مقام پر معاملہ اس کے برعکس ہو جائے اور نافرمانی سے حکم دینے والے کی عظمت ظاہر ہوتی ہو تو ایسی نافرمانی جائز ہی نہیں بلکہ قابلِ تحسین ہے جس کا اظہار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے اس عمل سے ہوتا ہے۔ انھوں نے ہمیں روشنی دکھلائی ہے کہ منصب رسالت کا ادب واحترام دین کی اساس ہے۔ جب تعظیم کی بنیاد پر حکم کی خلاف ورزی قابلِ تحسین عمل بن سکتا ہے تو ثابت ہوا کہ تعظیم کا حکم محتاج حکم نہیں ہے بغیر حکم کے بھی نبی کی تعظیم کی جائے گی۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شیوۂ ادب

مسلم شریف میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے یہ حدیث منقول ہے کہ صلح حدیبیہ کے دن صلحنامہ کی عبارت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھ رہے تھے جب انھوں نے صلحنامہ کی یہ سرخی لکھی کہ ھٰذَا مَا کَاتَبَ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ یہ وہ نکات ہیں جن پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کیا۔ تو کفارِ مکّہ کے نمائندوں کی طرف سے اعتراض ہوا کہ اس کاغذ پر رسول اللہ کا لفظ نہیں لکھا جا سکتا۔ کیونکہ اگر ہم ان کو اللہ کا رسول ہی مانتے تو اُن کے ساتھ جنگ ہی کیوں کرتے۔ یہ سُن کر حضور نے حضرت علی کو حکم دیا کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا دو اور اس کی جگہ ابن عبد اللہ لکھو۔ حضرت علی نے جذبۂ عقیدت میں سرشار ہو کر جواب دیا۔ مَا اَنَا بِالَّذِیْ اَمْحَاہُ۔ میں وہ شخص نہیں ہوں کہ رسول اللہ کا لفظ مٹا سکوں۔ حضرت علی کا یہ جواب سُن کر حضور نے خود اپنے ہاتھ سے اس لفظ کو قلمزد کر دیا اور اس کی جگہ پر ابن عبد اللہ لکھا۔

اب ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف نے علم وعقیدت

کے جو جواہرت بکھرے ہیں ان کی چمک سے اپنی بصیرت کا نور بڑھایئے ۔ ارشاد فرماتے ہیں :

اب تعمق نظر کی ضرورت ہے کہ باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر کو پیچھے ہٹنے سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسولُ اللہ کا لفظ مٹانے کا امر فرمایا تھا مگر ان دونوں حضرات سے حکم کی تعمیل نہ ہوسکی ۔ حالانکہ حق تعالیٰ کا صاف وصریح ارشاد ہے کہ مَآ آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا ۔ رسول تمہیں جس بات کا حکم کریں اُسے کرو اور جس بات سے منع کریں اس سے باز رہو ۔ اور دوسری آیت میں ارشاد باری ہے کہ "کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ اختیار نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم صادر ہوجائے تو وہ اس سے سرتابی کریں"۔

یہاں ایک خلجان پیدا ہوتا ہے جس کے ازالہ کے لئے تعمق نظر درکار ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کا تو انکار ہی نہیں ہوسکتا کہ ان حضرات سے عدول حکمی عمل میں آئی اور وہ بھی اس موقعہ پر جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بہ نفس نفیس موجود ہیں اور رو برو حکم دے رہے ہیں ۔

اور اس بات کا بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ ان حضرات میں گویا سرتابی کا مادہ ہی نہ تھا کہ ایک اشارے پر جان دیدینا ان کے لئے کچھ بڑی بات نہ تھی ۔ اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ عدول حکمی خدا اور رسول کی مرضی کے خلاف تھی کیونکہ اگر یہ بات ہوتی تو خود حضور انھیں تنبیہ فرماتے بلکہ کوئی آیت نازل ہوجاتی ۔

اب اس خلجان کا ازالہ اسی طرح کیا جاسکتا ہے کہ اُن حضرات کا پاس ادب جو سچے دل سے تھا وہ ایسا بافروغ تھا کہ اس کے مقابلے

میں عدول حکمی قابلِ التفات نہ ہوئی۔
اب ذرا صورت حال کی کشمکش کا اندازہ لگائیے کہ ایک طرف بہ نفس نفیس سید المرسلین آمنے سامنے حکم دے رہے ہیں اور دوسری طرف دل پر ادب کا اس قدر تسلط ہے کہ تعمیل حکم کے لئے نہ ہاتھ یاری دیتے ہیں نہ پاؤں میں حرکت ہوتی ہے۔ آخران دونوں صدیقوں کو ادب کی شہ پر وہی کرنا پڑتا ہے جو ادب کا مقتضا تھا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب نص قطعی کے مقابلہ میں ادب ہی کو ترجیح ہوئی تو دین میں ادب کا مقام کتنا بلند ہے ؟۔ (صـ۲۳۲)

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شیوۂ ادب

کنز العمال میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منقول ہے انھوں نے فرمایا کہ جس دن سے میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اور اپنا داہنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اس دن سے آج تک میں نے اپنے داہنے ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔

اور کنز العمال ہی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ ایک دن حضور کسی باغ میں تشریف لے گئے اور وہاں ایک مکان میں رونق افروز ہوئے۔ اسی درمیان دروازے پر ایک شخص نے دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو۔ اور یہ خبر بھی دیدو کہ میرے بعد وہ خلیفہ ہوں گے۔

حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا تو دروازے پر حضرت ابوبکر صدیق کھڑے ہیں۔ اس کے بعد پھر کسی آنے والے نے دروازے پر دستک دی، حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو جنت کی بشارت دو اور اسے اس کی بھی خبر کر دو کہ میرے بعد اے میرا

خلیفہ بننے کا شرف حاصل ہوگا۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عمر فاروق کھڑے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ ابھی کچھ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ پھر کسی نے دروازے پر دستک دی۔ حضور نے حضرت انس کو حکم دیا کہ دروازہ کھول دو اور دستک دینے والے کو اُسے جنت کی بشارت دو اور اُسے یہ خبر بھی پہنچا دو کہ عمر کے بعد وہ خلیفہ ہوں گے اور وہ قتل کئے جائیں گے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ دروازہ کھول کر جب میں باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر حضرت عثمان کھڑے ہیں۔ وہ اندر آئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں کبھی کسی گانے بجانے کی محفل میں شریک نہیں ہوا اور نہ میری زبان کبھی جھوٹ پر آمادہ ہوئی۔ اور جس دن سے میں نے اپنا داہنا ہاتھ حضور کے دست مبارک میں دیا اس دن سے آج تک اُس ہاتھ سے اپنی شرمگاہ کو نہیں چھوا۔ حضور نے فرمایا۔ یہی بات ہے عثمان۔ یعنی انہی خوبیوں کی وجہ کی وجہ سے بارگاہِ خداوندی میں تمہاری مقبولیت ہے۔

ان دونوں حدیثوں کے ذیل میں حضرت فاضل مصنّف کے یہ ایمان افروز نکات ملاحظہ فرمائیں جن سے دل کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

> اب یہاں پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیعت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو ہاتھ دیا تھا اس میں کس قسم کا اثر دست مبارک کا رہ گیا تھا جس کی اس قدر رعایت کی گئی۔
>
> باطن کا حال تو وہی لوگ جانتے ہیں جو اس کے اہل ہیں لیکن ظاہر میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جسے عقل متوسط تسلیم کرلے۔ رہا اعتقاد سے مان لینا تو وہ بالکل دوسری بات ہے۔ غرض کچھ بھی ہو کسی مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ حضرت عثمان کے اس فعل پر اعتراض کرلے۔ اور فعل بھی کیسا جس پر خود شارع علیہ السلام کی رضامندی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ پھر

یہ بھی نہیں کہ اس قسم کا خیال صرف اُنہی کا تھا بلکہ اس قسم کی باتیں اکثر صحابہ و تابعین سے مروی ہیں۔ الحاصل اگرچہ حقیقت اس کی معلوم نہ ہو سکی لیکن اعتقاد مان لینا پڑے گا کہ جس چیز کو دست مبارک یا جسم شریف کے مس سے شرافت حاصل ہوگئی اس میں کسی نہ کسی طرح کی فضیلت ضرور آگئی۔

تبصرہ کا یہ حصّہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

پھر دوسری بحث طلب بات یہ ہے کہ شرمگاہ میں کونسی ایسی برائی رکھی تھی کہ وہاں متبرک ہاتھ لے جانا مذموم سمجھا گیا۔ اکثر احادیث و آثار سے تو یہی ثابت ہے کہ وہ بھی ایک عضو ہے دوسرے اعضا کی طرح۔

البتہ اس عضو میں اگر کوئی کراہت ہے تو وہ طبعی ہے اب اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس طبعی کراہت کو بھی ادب نے اتنا بڑھایا کہ شرعی کراہت سے بھی زیادہ اس کی حس بڑھ گئی اور ساری عمر وہ اس فعل سے بچتے رہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ادب ایک ایسی چیز ہے کہ اپنا اثر دکھانے میں نہ وہ کسی امر کا منتظر ہے اور نہ کسی نظیر کا محتاج! بلکہ اہلِ ایمان میں وہ ایک قوت راسخہ کا نام ہے جو ادب کرنے والوں کو معظم کے آگے جھکنے اور اس کا احترام کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ (صـ۲۴۱)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کا شیوۂ ادب

کنز العمال میں حضرت عبد الرحمٰن ابن ابی لیلی سے منقول ہے کہ مدینہ میں ایک شخص کا نام محمد تھا۔ ایک دن حضرت عمر کہیں سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے سنا کہ محمد نام والے شخص کو ایک آدمی بُرا بھلا کہہ رہا ہے۔ یہ سُن کر چلتے چلتے وہ رک گئے اور اس شخص کو جس کا نام محمد تھا اپنے قریب بلایا اور فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے نام کی وجہ سے نام پاک کی بے حرمتی ہو رہی ہے اس لئے آج سے میں تمہارا نام بدل رہا ہوں۔ اب آج کے بعد سے تم بجائے محمد کے عبد الرحمٰن کے نام سے پکارے جاؤ گے۔

اس درمیان میں حضرت عمر کی نظر حضرت طلحہ کے بیٹے پر پڑی ان کا نام بھی محمد تھا۔ حضرت عمر نے ان کا نام بھی بدلنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ میرا نام حضور نے محمد رکھا ہے۔ یہ سنتے ہی حضرت عمر پر سکتہ طاری ہو گیا اور فرمایا اب تمہارا نام کوئی نہیں بدل سکتا۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف اپنی غیرت ایمانی کا جلوہ دکھاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

> اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد کو گالیاں دیئے جانا انھیں گوارا نہ ہوا مگر اصل واقعہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس نے نام لے کر گالی دی جس سے نام کی توہین کا سوال اٹھتا بلکہ اس نے تو اس کی ذات کو خطاب کر کے کہا تھا کہ تیرے ساتھ خدا ایسا کرے ویسا کرے۔ اس سے نام کی توہین کیسے نکل آئی؟
>
> اب اس کی اصل وجہ سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا نام محمد رکھو اس کی بے حرمتی مت کرو۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہوا کہ نام کی وجہ سے اس کی ذات میں

بھی کسی نہ کسی طرح کی شرافت ضرور پیدا ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ بات عقل میں آنے والی نہیں ہے لیکن جب اس باب میں صراحتہً حدیثیں وارد ہیں تو اہلِ ایمان سے یہ کب ہوسکتا ہے کہ حضور کے ارشاد کے مقابلے میں عقل کی سنیں۔ ایمان تو اسی کا نام ہے کہ جو حضرت نے فرمادیا اسے بے چون وچرا مان لیا۔ اگر وہ عقل کے مطابق ہے تو فبہا ورنہ عقل کو اس ارشاد کے آگے قربان کردیا۔ خلاصہ یہ کہ کسی چیز پر متبرک نام آنے کی وجہ سے اس چیز کا مکرم ومحترم ہو جانا شارع پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے۔ ص ۲۶۳

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ورشیوۂ ادب

کنز العمال میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ایک دیہاتی حضرت ابوبکر صدیق اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ کیا آپ رسول اللہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا نہیں میں خالفہ ہوں۔

جوہری نے مختار الصحاح میں لکھا ہے کہ خالفہ گھر کے اس فرد کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی خوبی نہ ہو۔ چونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اس لئے ازراہِ ادب آپ نے اپنے کو اس لفظ کا مصداق نہیں سمجھا۔ اور اس لفظ کو ایک ایسے لفظ میں تبدیل کر دیا جس میں خلافت کا مادہ بھی باقی رہا اور ادب بھی ہاتھ سے نہیں گیا۔

اب اس واقعہ پر حضرت فاضل مصنف کا یہ حق افروز اور باطل سوز تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

جب حضرت ابوبکر صدیق جیسے مسلم الثبوت خلیفہ راشد اپنے آپ کو حضور کا خلیفہ کہنے میں تامل کریں تو ان لوگوں کے حق میں ہم کونسا لفظ استعمال کریں جو نہایت دلیری سے حضور کے ساتھ

بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔

معلوم نہیں اس برابری سے ان کا کیا مقصد ہے۔ اگر اپنے آپ کو وہ لوگ حضور کے برابر کرنا چاہتے ہیں تو حضور کے وہ فضائل و خصوصیات جو کسی نبی مرسل کو نصیب نہیں ہوئے، ان کے اندر کہاں سے پیدا ہو جائیں گے۔

اور اگر اپنے برابر کرکے وہ حضور کی شان گھٹانا چاہتے ہیں تو ان لوگوں پر اِنْ کُنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کا مضمون صادق آتا ہے۔ غرض کسی طرف سے بھی اس کلمہ میں خیر کی راہ نہیں ہے۔ (ص ۲۳۴)

ایک ہی شیوۂ ادب متعدد اکابر صحابہ کا

دلائل النبوۃ میں حضرت قباث لیثی کے متعلق یہ روایت نقل کی گئی ہے جن کی ولادت حضور سے پہلے ہوئی تھی کہ کسی نے ان سے دریافت کیا کہ اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ آپ بڑے ہیں یا رسول اللہ! انھوں نے جواب دیا کہ ھُوَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَ اَنَا اَسَنُّ مِنْہُ ۔ بڑے تو وہی ہیں البتہ میری عمر زیادہ ہے۔

اسی طرح کی روایت دلائل النبوۃ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی نقل کی گئی۔ ان سے بھی کسی نے یہی سوال کیا تو انھوں نے بھی جواب میں کہا ھُوَ اَکْبَرُ مِنِّیْ وَ اَنَا اَقْدَمُ مِنْہُ فِی الْمِیْلَادِ ۔ بڑے وہی ہیں صرف میری پیدائش ان سے پہلے ہے۔ اسی طرح کا شیوۂ ادب ابن عساکر اور ابن نجار نے حضور کے چچا حضرت عباس کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ ان سے بھی کسی نے پوچھا تھا کہ اَنْتَ اَکْبَرُ اَمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ آپ بڑے ہیں یا رسول پاک۔ تو انھوں نے بھی جواب میں یہی کہا تھا۔ بڑے وہی ہیں میں صرف پہلے پیدا ہوا ہوں۔

اور اسی طرح کی روایت صاحب کنز العمال نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں بھی نقل فرمائی ہے کہ ایک موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے خود ان سے دریافت کیا کہ میں بڑا ہوں یا تم بڑے ہو۔ تو انھوں نے کمال ادب سے جواب دیا اَنْتَ اَكْبَرُ وَ اَكْرَمُ وَاَنَا اَسَنُّ مِنْكَ "آپ ہی بڑے اور بزرگ ہیں، میری تو صرف عمر زیادہ ہے۔

اب ان ساری روایات کے ذیل میں حضرت مُصنف کے نورانی احساسات کے افق پر عشق و ایمان کی طلوع ہوئی صبح صادق کا یہ منظر دیکھئے۔ فرماتے ہیں:

> اب اس ادب کو دیکھئے کہ باوجودیکہ اس موقع میں لفظ اَکْبَر اور اَسَنُّ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ لفظ اکبر مطلق بزرگی کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے صراحتہً اس کی نفی کر دی اور مجبوراً لفظ اَسَنُّ کا ذکر کیا۔ کیونکہ صراحتہً مقصود پر دلالت کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی لفظ نہ تھا۔
>
> پھر قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ جن کی تعظیم و تکریم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے اور صدیق اکبر جو بارگاہ رسالت کے سب سے مقرب اور معتمد کہے جاتے ہیں جب ان حضرات کا ادب میں یہ حال ہو تو ہم لوگوں کو کس قدر ادب کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ (ص۲۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا شیوۂ ادب

بخاری شریف میں حضرت ابو رافع سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ مدینہ شریف کی کسی گلی سے گزر رہے تھے کہ اچانک حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا ہو گیا۔ حضور کو دیکھتے ہی وہ چھپ گئے جب تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو حضور نے ان سے چھپنے کی وجہ دریافت کی۔ انھوں نے عرض کیا مجھے اس وقت غسل کی حاجت تھی۔ اس حالت میں مجھے آپ کے سامنے آنا خلاف ادب محسوس ہوا۔ یہ سُن کر حضور نے ارشاد فرمایا سُبْحَانَ اللہ!

مومن نجس نہیں ہوتا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کا یہ ایمان افروز بیان پڑھئے؛ ارشاد فرماتے ہیں :

> حضرت ابوہریرہ جو اس حالت میں الگ ہوئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کمال درجہ کی عظمت حضرت کی ان کے دل میں تھی جس نے ان کی عقل کو مقہور کر کے ان کے دل کو اس ادب پر مجبور کر دیا تھا۔ آخر وہ بھی جانتے تھے کہ جنابت کا جسم میں سرایت کرنا امر حکمی ہے حسی نہیں ہے کہ دوسرے کو اس سے کراہت محسوس ہو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کا اثر دوسرے تک متعدی نہیں ہو سکتا۔
>
> ہر چند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ شرعیہ بیان فرما دیا کہ مسلمان نجس نہیں ہوتا مگر کلام اس میں ہے کہ اس حالت میں حاضر ہونے سے کونسی چیز انھیں مانع ہوئی۔ سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ صرف فرط ادب کی وجہ سے وہ حاضر نہ ہو سکے۔ اگر ان کا یہ فعل حضور کو ناگوار ہوتا تو حضور صراحت کے ساتھ انھیں منع فرما دیتے کہ آئندہ وہ اس غلطی کا اعادہ نہ کریں لیکن حضور اس نکتہ سے واقف تھے کہ مومن کا نجس نہ ہونا تقاضائے ادب کے لئے مانع نہیں ہے۔
>
> (ص ۲۴۲)

عام صحابۂ کرام کا شیوۂ ادب

مستدرک اور حاکم میں حضرت عبد اللہ ابن بریدہ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ ہم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں جب حاضر ہوتے تھے تو فرط ادب سے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ اور مستدرک ہی میں حضرت عبد الرحمٰن ابن قرط سے یہ روایت بھی منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں مسجد نبوی شریف میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ لوگ حلقہ بنا کر اس طرح ساکت وجامد بیٹھے ہیں کہ گویا ان کی گردنوں پر سر ہی نہیں ہیں۔

قریب جاکر دیکھا تو ان کے بیچ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور حضور کی حدیث بیان کر رہے ہیں۔

اب ان حدیثوں کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ روح پرور تأثرات ملاحظہ فرمایئے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اب ذرا زمانے کا انقلاب دیکھئے کہ اس نے ان حضرات کے مسلک سے ہمیں کتنا دور کر دیا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو معاملہ بالکل برعکس ہو گیا ہے ان کے قلوب ایسے مؤدب و مہذب تھے کہ قسم قسم کے آداب اور حسن عقیدت پر دلالت کرنے والے طرح طرح کے طریقے وہ خود اپنی طبیعت سے ایجاد کر لیتے تھے اور اصول شرعیہ پر انھیں منطبق کر لیتے تھے جس کا سمجھنا بھی شاید اس زمانے میں بآسانی نہ ہو سکے۔ غرض وہ ہر قسم کا ادب ایجاد کرتے تھے اور ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں کرتا تھا اس لئے کہ اس وقت تک بے ادبی کی بنیاد نہیں پڑی تھی خیر القرون کا یہ حال تھا اور اب آخری زمانے کا یہ حال ہے کہ ان حضرات کے اتباع میں اگر کسی سے اس قسم کے افعال صادر ہو جائیں تو ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھار شروع ہو جاتی ہے۔ صرف اعتراض ہی نہیں بلکہ شرک تک نوبت پہنچا دی جاتی ہے۔ حق تعالیٰ ہم مسلمانوں کو ادب نصیب فرمائے۔

حضرت اسلم ابن شریک کا شیوۂ ادب

امام طبرانی نے اسلم ابن شریک سے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں سفر میں حضور کی اونٹنی پر کجاوہ باندھا کرتا تھا جس پر حضور تشریف رکھتے تھے۔ ایک رات سفر میں مجھے نہانے کی حاجت ہو گئی۔ اسی درمیان میں حضور نے کوچ کا ارادہ فرمایا۔ اب میں بہت کش مکش میں مبتلا ہو گیا کہ کیا کروں۔ ایک طرف سخت سردی کی

رات میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرتے ہوئے ہلاکت یا بیماری کا خطرہ لاحق تھا۔ دوسری طرف کسی طرح طبیعت کو یہ گوارا نہ تھا کہ ناپاکی کی حالت میں حضور کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں بالآخر میں نے ایک انصاری سے کہا۔ انھوں نے اُس دن کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی۔

قافلہ روانہ ہوجانے کے بعد میں نے کسی طرح پانی گرم کیا اور غسل کرنے کے بعد تیز تیز چل کر قافلہ سے جاملا۔ حضور نے مجھے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ آج کیا بات ہے کہ میری اونٹنی کا کجاوہ کچھ بدلا ہوا سا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ مجھے نہانے کی حاجت پیش آگئی تھی۔ اس لئے مجھے گوارا نہ ہوا کہ اس حالت میں آپ کے کجاوہ کو ہاتھ لگاؤں۔ مجبوراً اپنے ایک ساتھی سے درخواست کی اور آج اس نے کجاوہ باندھنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اسلم کہتے ہیں کہ اسی موقعہ پر وہ مشہور آیت نازل ہوئی جس میں سفر کی حالت میں غسل جنابت کے لئے تیمم کی اجازت دی گئی ہے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گرانمایہ کلمات ملاحظہ فرمائیے:

> سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ جس کجاوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے اس کی لکڑیوں کو حالتِ جنابت میں ہاتھ لگانا گوارا نہ ہوا۔ اگر بچشم انصاف دیکھا جائے تو منشا اس کا محض ایمان دکھائی دے گا۔ جس نے ایسے پاکیزہ خیالات ان حضرات کے دلوں میں پیدا کر دیے تھے۔ اب اگر کوئی شخص اپنی نسبت تحقیقی ایمان کا دعویٰ کرکے یہ کہے کہ یہ خیالات ایام جاہلیت کے ہوں گے تو مجھے یقین نہیں آتا کہ کوئی ایماندار شخص اس کلام کی طرف التفات کرے گا۔ کیونکہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ چودھویں صدی والا خوش اعتقادی میں خیر القرون والے صحابیوں سے بڑھ جائے۔
>
> پھر اگر بات بڑھائی جائے تو یہ سلسلہ وہاں تک پہنچ جائے گا

جہاں سب کی زبان بند ہوجاتی ہے۔ کیونکہ جس بات کا ذکر خود شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں ہوجائے اور اسی کے بعد صورت حال کی مناسبت سے قرآن کی آیت بھی نازل ہوجائے تو اب اس فعل کے قابل تحسین ہونے میں کیا شبہ ہے۔

الحاصل جب ان لکڑیوں کا اس قدر ادب کیا گیا تو بزرگانِ دین کا جس قدر ادب کیا جائے محمود ہی محمود ہے۔ (ص ۲۴۳)

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شیوۂ ادب

سنن ابی داؤد میں حضرت عبد ابن فیروز سے مروی ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ایک دن حضرت براء ابن عازب سے دریافت کیا کہ کن کن جانوروں کی قربانی ناجائز ہے۔

انھوں نے کہا کہ حضور ایک دن ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور خطبہ کے دوران اپنی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اور میری انگلیاں حضور کی انگلیوں سے چھوٹی ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد اب حضور کا ارشاد نقل کیا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں ہے، ایک وہ جس کی آنکھ پھوٹی ہو، دوسرا وہ جو سخت بیمار ہو، تیسرا وہ جس کا لنگڑا ہونا ظاہر ہو اور چوتھا وہ جو نہایت لاغر ہو۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں مایہ احساسات ملاحظہ فرمائیں۔

حضور نے اپنے خطبہ کے دوران اپنی چار انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ چار جانوروں کی قربانی جائز نہیں۔ حضرت براء ابن عازب کو ان کے شیوۂ ادب نے اجازت نہیں دی کہ حضور کے دست مبارک کی حکایت اپنے ہاتھ سے کریں۔ اس لئے درمیان

میں انھوں نے سلسلۂ کلام کو توڑ دیا اور جملۂ معترضہ کے طور پر کہا کہ میری انگلیاں چھوٹی ہیں جنھیں حضور کی انگلیوں سے کچھ نسبت نہیں ہے۔
اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ چار کا اشارہ ہاتھ سے کرنے میں مقصود صرف تعیین عدد ہے۔ نہ بظاہر اس میں کسی طرح کی مساوات کا شائبہ ہے اور نہ سوءِ ادب! لیکن اس کے باوجود صحابی کے شیوۂ ادب نے دست مبارک کی حکایت کو بھی گوارا نہ کیا جس سے تشبیہ لازم آتی تھی۔
اہلِ ایمان کے لئے یہ بات بھی ذہن نشین کرنے کے قابل ہے کہ باوجودیکہ حضور نے صحابہ کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اس طرح کا ادب کریں لیکن ان کا شیوۂ ادب خود ایمان کا تقاضا محسوس کرلیتا تھا۔ (صـ ۲۳۷)

حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کا شیوۂ ادب

بخاری شریف میں اُمّ المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے منقول ہے وہ فرماتی ہیں کہ حضرت ام عطیہ کی عادت تھی کہ وہ حضور کا نام لیتے وقت فداہ ابی وامی کہا کرتی تھیں یعنی میرے ماں باپ حضور پر فدا ہوں۔ یہی شیوۂ ادب اکثر صحابہ کا بھی تھا۔ حضور کی حیات ظاہری میں بھی اور وصال شریف کے بعد بھی۔
اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

سبحان اللہ! کیا ادب تھا کہ روبرو تو روبرو غائبانہ بعد وفات شریف بھی وہ ادب ملحوظ ہوتا تھا کہ جب تک اپنے ماں باپ کو فدا نہیں کرلیتے تھے صحابۂ کرام حضور کا نام مبارک نہیں لیتے تھے۔ (صـ ۲۵۲)

حضرت امام مالک کا شیوۂ ادب

درمنظم میں ابن حجر ہیتمی نے اور کتاب الشفاء میں قاضی عیاض نے ابن حمید سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ ایک بار خلفائے عباسیہ کے سلسلے کے دوسرے خلیفہ ابوجعفر منصور کے ساتھ حضرت امام مالک کا کسی مسئلہ میں مباحثہ ہوا۔ گفتگو مسجد نبوی شریف کے صحن میں ہو رہی تھی۔ اثنائے گفتگو میں ابوجعفر منصور کی آواز بلند ہوگئی۔ اس پر حضرت امام مالک نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اے امیر المومنین! اس مسجد میں آواز بلند مت کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آواز بلند کرنے پر اُن لوگوں کی تنبیہ فرمائی جو آپ سے کہیں بہتر تھے۔ اور ان لوگوں کی مدح سرائی کی جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں اپنی آواز پست رکھتے تھے۔ اور ان لوگوں کی مذمت کی جو حجرۂ شریف کے باہر سے بآواز بلند آپ کو پکار رہے تھے۔ حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب واحترام کا یہ حکم جس طرح حضور کی حیات ظاہری میں تھا اسی طرح آج بھی ہے۔

حضرت امام مالک کا یہ ارشاد سنتے ہی خلیفہ ابوجعفر منصور کی گردن فرط ادب سے جھک گئی۔ پھر اس نے حضرت امام مالک سے سوال کیا کہ حضور کے مواجہ شریف میں دُعا کرتے وقت قبلہ کی طرف رخ کروں یا حضور کی طرف:

فرمایا اس ہستی کی طرف سے اپنا منہ مت پھیریئے جو قیامت کے دن آپ اور آپ کے باپ حضرت آدم علیہ السّلام کا وسیلہ ہیں۔ اس لئے آپ حضور ہی کی طرف مُنہ کرکے اُن سے شفاعت وسفارش طلب کیجئے۔ کیونکہ خداوند قدوس نے انہی کی سفارش پر مغفرت کا وعدہ فرمایا ہے

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت مصنف کے یہ گرانقدر افادات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> اب ان حضرات کے اعتقادات کو دیکھئے کہ حضرت امام مالک نے آواز بلند کرنے کے سلسلے میں سورۂ حجرات کی جن آیات سے استدلال کیا اس کے متعلق خلیفۂ وقت نے پوچھا تک نہیں کہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ

اور يُنَادُوْنَكَ کے معنی یہاں کیونکر صادق آتے ہیں۔

پھر یہ بھی نہ تھا کہ خلیفۂ موصوف جاہل تھا بلکہ نہایت کامل العقل اور فقیہ النفس عالم جید تھا۔ مگر امام مالک کے استدلال میں اس درجہ قوت تھی کہ خلیفہ ساکت ومبہوت رہ گیا۔

اگر اس زمانے میں کوئی شخص اس قسم کا استدلال کرے تو صدہا شاخسانے اس میں نکالے جائیں گے۔ دوسری طرف حضرت امام مالک کا مقام علم وفضل اتنا بلند ہے کہ ان کے شاگردوں کے شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس استدلال کی نزاکت کو نہ سمجھ کر اس میں کچھ کلام کرے تو کسی مسلمان سے یہ نہ ہوسکے گا کہ معترض کی رائے کو امام مالک کی رائے پر ترجیح دے کیونکہ امام مالک وہ شخص ہیں کہ جن کے شاگردوں کا شاگرد ہونے پر امام بخاری، امام مسلم اور اکابر محدثین کو فخر ہے۔ پھر اگر کوئی کثرت تصانیف کو پیش کرکے حضور کے بارے میں کوئی غلط دعویٰ کرے تو اس کا ابطال اُن احادیث شریفہ سے ہوجائے گا جن میں خیر القرون ہونا اُس زمانے کا اور کم ہوجانا علم کے آخری زمانے میں وارد ہے۔

اور مسجد نبوی شریف کے آداب ہی کے سلسلے میں امام بخاری نے حضرت سائب ابن یزید سے یہ حدیث بھی روایت کی ہے جس میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ میں ایک بار مسجد نبوی شریف میں کھڑا تھا کہ مجھے کسی نے کنکری ماری میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ وہ سامنے جو دو آدمی بیٹھے ہیں انھیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ جب میں ان دونوں کو ان کے پاس لے گیا تو انھوں نے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم

طائف کے رہنے والے ہیں۔ فرمایا کہ اگر تم مدینے کے ہوتے تو
میں تمہیں ضرور سزا دیتا۔ تم حضور کی مسجد میں بلند آواز سے بات کرتے
ہو۔ (ص۲۵۱)

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر تأثرات
ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ مسجد شریف میں کوئی آواز بلند
نہیں کرسکتا تھا۔ اور اگر کوئی کرتا تو مستحق تعزیر سمجھا جاتا۔ باوجودیکہ
سائب ابن یزید چنداں دور نہ تھے لیکن اسی ادب سے حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں پکارا نہیں بلکہ کنکری پھینک کر انھیں
اپنی طرف متوجہ کیا۔ یہ تمام آداب اسی وجہ سے تھے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم بحیات ابدی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ لحاظ
اگر صرف مسجد ہونے کا ہوتا تو فِی مَسْجِدِ رسول اللہ صلی اللہ
عَلَیْہِ وسلم (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں) کہنے کی
کوئی ضرورت نہ تھی۔
دوسرا قرینہ یہ ہے کہ اس تعزیر کو اہلِ مدینہ کے لئے خاص فرمایا
جنھیں مسجد شریف کے آداب بخوبی معلوم تھے۔ اگر مسجد ہی کا لحاظ
ہوتا تو اہلِ طائف بھی معذور نہ رکھے جاتے کیونکہ آخر وہاں بھی تو مسجدیں
تھیں۔ یہیں سے وہ بات بھی ثابت ہوگئی جو امام مالک نے خلیفہ
منصور سے کہا تھا کہ حضور کی عزّت و تکریم وصال شریف کے بھی
ویسی ہی فرض ہے جیسی حیاتِ ظاہری میں تھی۔ (ص۲۵۱)

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہٗ کا شیوۂ ادب

حضرت امام سیوطی نے تنزیہہ الانبیاء میں امام سبکی کی کتاب الترشیح سے نقل کیا ہے کہ امام شافعی نے اپنی بعض تصانیف میں وہ واقعہ نقل کیا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے زمانۂ پاک میں واقع ہوا تھا کہ کسی شریف عورت نے کچھ چرایا تھا اور حضور نے چوری کی سزا میں اس کے ہاتھ کاٹنے کا ارادہ ظاہر فرمایا اس پر کسی صاحب نے حضور سے سفارش کی۔ اس موقع پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر فلاں عورت بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹنے کا حکم صادر کرتا۔

امام شافعی کے انداز بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت امام سبکی نے لکھا ہے کہ امام شافعی کا ادب دیکھو کہ حدیث شریف میں اس مقام پر حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نام نہایت صراحت کے ساتھ مذکور ہے اگر بعینہٖ حدیث نقل کر دیتے تو کوئی بے موقع بات نہیں تھی لیکن امام شافعی نے ازراہِ کمال ادب ان کا نام نہیں لیا بلکہ نام کی جگہ فلاں عورت کہا۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں فاضل مصنف کا یہ باوقار تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> سبحان اللہ! کیا ادب تھا۔ حالانکہ الفاظ حدیث کو بعینہٖ نقل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور سیدہ کا نام مبارک جو حدیث میں وارد ہے وہ لَو (اگر) کے ساتھ ہے جس کا اطلاق کسی محال چیز پر بر سبیل فرض محال ہوتا ہے مگر بایں ہمہ چونکہ حدیث شریف میں وہ مقام توہین میں وارد تھا اس لئے ادب نے اجازت نہ دی کہ اس نام مبارک کو صراحتہً ذکر کریں۔
>
> سچ کہا ہے لوگوں نے کہ جو مقربین بارگاہ ہوتے ہیں اُنھی

کو ادب نصیب ہوتا ہے ہر کس و ناکس میں یہ صلاحیت کہاں۔ (ص ۲۳۳)

حضرت ابو ایوب سختیانی کا شیوۂ ادب

حضرت قاضی عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شفا شریف میں لکھا ہے کہ کسی نے حضرت امام مالک سے پوچھا کہ ابو ایوب سختیانی کا کیا حال تھا۔ انھوں نے جواب دیا کہ میرے اساتذہ میں وہ سب سے افضل تھے۔ انھوں نے دو حج کئے اور میں دونوں بار ان کے ساتھ تھا۔ سفر کے دوران جب بھی ان سے کسی حدیث کی روایت سنی تو حضور کے ساتھ ان کی والہانہ محبت کا یہ عالم دیکھا کہ جب وہ حضور کا ذکر کرتے تو اس قدر روتے کہ مجھے ان کے حال پر رحم آنے لگتا۔ ان کی یہ والہانہ کیفیت دیکھ کر میں نے ان کی شاگردی اختیار کرلی۔

اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کی غیرت ایمانی کا یہ جلوہ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

سبحان اللہ! وہاں تو ذکر شریف سے وہ حالت پیدا ہو جائے کہ بڑے بڑے معاصرین سے انھیں افضل بنادے اور یہاں ہنوز اس کے جواز و عدم جواز میں اختلاف پڑا ہوا ہے بلکہ وہ تدبیریں نکالی جاتی ہیں کہ ذکر پاک کی مجالس ہی نہ منعقد ہونے پائیں، ذرا سوچنے کی بات ہے کہ ذکر شریف کی مجلسیں ہوا کریں اور اس کی برکتوں سے مسلمان فیضیاب ہوتے رہیں تو اس سے کسی کا کیا نقصان ہے؟

(ص ۲۴۷)

نام مبارک کی تعظیم کا حکم

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود کی تعظیم وتکریم ایمان کا مقتضیٰ ہے اسی طرح حضور کے نام پاک کی تعظیم وتوقیر کا بھی حکم وارد ہوا ہے۔ جیسا کہ صاحب کنز العمال نے نام پاک کی تعظیم وتکریم سے متعلق پانچ حدیثیں نقل فرمائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

پہلی حدیث

حضرت بزار سے مروی ہے وہ روایت کرتے ہیں حضرت ابورافع سے انھوں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچّے کا نام محمد رکھو تو اسے مارو مت اور اسے محروم نہ کرو۔

دوسری حدیث

حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچّے کا نام محمد رکھو تو اس کی تعظیم و توقیر کرو اور جب وہ مجلس میں پہنچ جائے تو اسے بیٹھنے کی جگہ دو۔

تیسری حدیث

حضرت دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت کی ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اپنے بچّے کا نام محمد رکھو تو اسے محروم مت کرو کیونکہ محمد کے نام میں برکت دی گئی ہے یہاں تک کہ اس گھر میں بھی برکت دی گئی ہے جس میں محمد

نام کا کوئی شخص رہتا ہو۔

چوتھی حدیث

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُسے گالیاں بھی دیتے ہو۔

پانچویں حدیث

پانچویں حدیث بھی حضرت انس ہی سے مروی ہے جس میں حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم اپنے بچے کا نام محمد بھی رکھتے ہو اور اُس پر لعنت بھی بھیجتے ہو۔

حضرت فاضل مصنف ان پانچوں حدیثوں کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں۔

> الحاصل یہ پانچوں روایتیں کنز العمال میں ہیں۔ ان تمام روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ نام مبارک کی تعظیم و ادب کے ساتھ ساتھ نام والے کا بھی ادب و احترام کرنا چاہیئے۔ (ص ۳۶۵)

تعظیم نام محمد کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حضرت وہب ابن منبہؒ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک نہایت بدکار شخص تھا۔ اس نے سو برس تک خدا کی ایسی ایسی نافرمانی کی اور خدا کی مخلوق پر ایسے ایسے ظلم ڈھائے کہ لوگ اس سے نفرت کرنے لگے۔ جب اس کا انتقال ہوگیا تو لوگوں نے اس کے ظلم و شقاوت اور بدکاریوں کی وجہ سے اسے اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ اسے عزت و اکرام کے ساتھ دفن کریں۔ چنانچہ نہایت حقارت و ناقدری کے ساتھ لوگوں نے اس کی لاش کو ایک کوڑے خانے پر لاکر پھینک دیا جہاں گاؤں بھر کی نجاست و غلاظت ڈالی جاتی تھی۔

وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ تھا۔ خداوند ذوالجلال کی طرف سے انھیں حکم

صادر ہوا کہ فلاں گاؤں کے کوڑے خانے پر ایک شخص کی لاش پڑی ہوئی ہے۔ اُسے وہاں سے اُٹھا کر عزت و تکریم کے ساتھ فوراً کسی قبرستان میں دفن کرو۔

وہاں پہنچنے کے بعد جب لوگوں کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس شخص کی سیہ کاریوں اور ظلم وشقاوت کی تفصیل معلوم ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند قدوس کی جناب میں عرضی پیش کی کہ گاؤں کے سارے لوگ گواہی دے رہے ہیں کہ یہ شخص سو برس کی طویل مدت تک تیری نافرمانی کرتا رہا یہ اپنے زمانے کا بدترین شخص تھا یہ کسی عزت و تکریم کے لائق نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہوا لوگ سچ کہتے ہیں لیکن اس کی صرف ایک خوبی کی وجہ سے میں نے اس کے سارے گناہ بخش دیئے اور جنت کی ستر حوروں کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا۔

وہ خوبی یہ تھی کہ جب بھی وہ تورات کھولتا تو نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتا آنکھوں سے لگاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس عنایت بیکراں پر حیران رہ گئے۔

اب اس واقعہ کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کے یہ گراں قدر کلمات ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

> اگر اُس ادب کی وقعت کا خیال کیا جائے تو حق تعالیٰ کو غضب میں لانے والے عمر بھر کے اعمال پر سبقت کر کے سب کو بخشوا لینا اسی کا کام تھا۔
>
> غرض کہ جب ادب کا یہ رتبہ ہو کہ گزشتہ امت والوں کو اس خوبی کے ساتھ سرفراز کرے تو ہم خاص غلاموں کو اس سے کس قدر توقع ہوگی۔ اس پر بھی اگر نام مبارک کو دیکھ کر اور سُن کر کبھی بوسہ نہ لیں تو اتنا ضرور چاہیئے کہ حق تعالیٰ سے اس کی توفیق طلب کریں۔ (ص ۲۶۶)

مسئلہ

نام پاک سُن کر انگوٹھا چومنے کی بحث

نام پاک سُن کر انگوٹھے چومنے اور آنکھوں سے لگانے کے مستحب ہونے پر حضرت فاضل مصنف کی یہ ایمان افروز بحث دل کی گہرائی سے پڑھیے کہ وہ بیماروں کی شفایابی اور صحت مندوں کی تقویت کا باعث ہے۔ بحث کا خلاصہ یہ ہے :

(۱)

تفسیر روح البیان میں قہستانی، شرح کبیر، محیط اور قوت القلوب وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ کہ جب مؤذن پہلی بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہے تو سننے والوں کو چاہیئے کہ وہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہیں۔ اور جب دوسری بار اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ کہے تو سننے والوں کو چاہیئے کہ انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ کہنے کے بعد اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَ الْبَصَرِ پڑھیں۔

اور محیط میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک مؤذن سے سن کر انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے۔ اور مضمرات میں لکھا ہے کہ جب جنت میں حضرت آدم علیہ السلام نور محمدی کی زیارت کے مشتاق ہوئے تو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب کے نور کو ان کے دونوں ناخنوں میں جلوہ گر فرمادیا اور انھوں نے انھیں بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملا۔ اور ان کی یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی

پھر جبریل علیہ السلام نے جب یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیان کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور انگوٹھوں پر بوسہ دے کر اپنی آنکھوں پر ملے تو کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(۲)

امام سخاوی نے اپنی کتاب مقاصد حسنہ میں دیلمی کی مسند الفردوس سے یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کریمہ تھی کہ جب وہ مؤذن سے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللهِ سنتے تو اس کے جواب میں ارشاد فرماتے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ رَضِيْتُ بِاللهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا۔ اس کے بعد کلمے کی انگلیوں کے باطنی حصے پر بوسہ دیتے اور انھیں اپنی آنکھوں سے لگاتے۔

اور کہا راوی نے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میرا نام سُن کر جیسا کہ میرے دوست ابوبکر نے کیا ویسا جو بھی کرے گا اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگی۔

اور اسی طرح کی حدیث حضرت ابوالعباس احمد بن ابی بکر الرواد نے اپنی کتاب موجبات الرحمۃ وعزائم المغفرۃ میں حضرت خضر علیہ السلام سے نقل کی ہے کہ جو شخص مؤذن کے کلمۂ شہادت کے جواب میں کہے اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللهِ مَرْحَبًا بِحَبِيْبِيْ وَقُرَّةِ عَيْنِيْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پھر اپنے انگوٹھوں کو بوسہ دے اور اُنھیں اپنی آنکھوں پر رکھے تو وہ کبھی آنکھوں کی بیماری میں مبتلا نہ ہوگا۔

پھر روایت کی ابوالعباس نے اپنے بھائی فقیہہ محمد ابن البابا سے کہ ایک بار سخت ہوا چلی جس سے ایک چھوٹی سی کنکری ان کی آنکھ میں پڑ گئی۔ بہت کوشش کے باوجود کنکری آنکھ سے نہ نکل سکی یہاں تک کہ جب آنکھ دکھنے لگی تو مؤذن سے کلمۂ اذان سُن کر حدیث پر عمل کیا فوراً ہی کنکری نکل آئی۔ ردّاد کہتے ہیں کہ یہ بات حضور کی بڑی بڑی فضیلتوں کے مقابلے میں بہت کم ہے۔

یہاں تک مقاصد حسنہ کی عبارت تھی اب مصنف کتاب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیے۔

ارشاد فرماتے ہیں:

الحاصل دین و دنیا میں ادب کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اور جس کسی کی طبیعت میں گستاخی اور بے ادبی کا مادہ ہوگا یقیناً اس کے دین میں کہیں نہ کہیں رخنہ ضرور ہوگا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ جب شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابلے میں یہ گستاخانہ جملہ کہا تھا کہ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں اس سے بہتر ہوں اور جس کے نتیجے میں وہ مردود بارگاہ کبریائی ہوا، اسی وقت سے اولاد آدم کی عداوت اس کے دل میں جم گئی اور باپ کا انتقام اولاد سے لینے کے لئے مختلف قسم کی تدبیر اس نے سوچی۔

مگر اس غرض کے لئے وہی تدبیر اسے سب سے بہتر نظر آئی جس کا تجربہ خود اس کو اپنی ذات پر ہو چکا تھا کہ گستاخی اور بے ادبی مردود بارگاہ بنانے میں زبردست اثر رکھتی ہے۔ اس لئے اس نے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا کی عام تعلیم شروع کردی۔ چنانچہ ہر زمانے کے کفار انبیاء علیہم السلام کے مقابلے میں یہی کہتے رہے کہ تم ہماری ہی طرح ایک بشر ہو۔

گہرائی میں اتر کر سوچئے تو اس میں بھی وہی بات ہے جو اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ میں تھی۔ اگر کسی قدر فرق ہے تو تابع اور متبوع کی ہمتوں میں ہے۔ (صـ۲۷۵)

اس کی عبارت کا یہ حصہ بھی چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام نے ہزارہا معجزے دکھائے مگر کفار کے دلوں میں ان کی عظمت اس نے جمنے نہ دی۔ پھر جن لوگوں نے ان کی عظمت

کو مان لیا اور مسلمان ہو گئے ان سے کسی قدر اسے مایوسی ہوئی کیونکہ
ان سے تو وہ بے باکی نہیں ہو سکتی تھی جو کفار سے ظہور میں آئی۔
اب بہت غور و فکر کے بعد مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس
نے بے ادبی کا دروازہ کھولا اور بے ادبی کو راست گوئی کا نام دیا۔
اب کیسی ہی ناشائستہ بات کیوں نہ ہو اس لباس میں آراستہ کر کے
احمقوں کے دماغ میں اتار دیتا ہے۔ اور کچھ ایسا بے وقوف بنا دیتا
ہے کہ راست گوئی کی دھن میں نہ ان کو کسی بزرگ کی حرمت و توقیر کا
خیال رہتا ہے اور نہ اپنے انجام کا اندیشہ۔ (ص ۲۷۵)

تاریخ فتنۂ وہابیت

حضرت فاضل مصنف نے احادیث کی روشنی میں نہایت تفصیل کے ساتھ اس فتنہ کی نشاندہی فرمائی ہے۔ جس احساس کے تحت انھوں نے اس بحث کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری زمانے میں ظاہر ہونے والے اس فتنہ کی کھول کھول کر نشاندہی فرمائی ہے اور احادیث کی کتابیں اُن روایات سے بھری پڑی ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسے چھپایا جائے۔ اس لئے علم کی دیانتداری کا تقاضا ہے کہ اُسے عوام کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ رکھ دیا جائے تاکہ اپنے آپ کو وہ اس فتنہ کی زد سے بچانا چاہیں تو بچاسکیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے بخاری شریف کی وہ حدیث نقل کی ہے جو حضرت ابوسعید خُدری رضی اللہ تعالیٰ عنہُ سے مروی ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے اور حضور انور اموال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ ذوالخویصرہ نام کا ایک شخص جو قبیلۂ بنو تمیم سے تعلق رکھتا تھا حضور کے سامنے کھڑا ہوا۔ اور نہایت گستاخانہ جسارت کے ساتھ کہنے لگا کہ آپ انصاف سے مال غنیمت تقسیم کیجئے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گستاخانہ جملے پر اظہار ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر میں انصاف نہ کروں تو اس دنیا میں کون انصاف کرنے والا ہے۔ اگر میں انصاف نہ کروں تو یقیناً تو محروم و نامراد ہوجائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی یہ گستاخی برداشت نہ ہوسکی۔ وہ فرط غضب میں اپنی تلوار بے نیام کرکے کھڑے ہوگئے اور حضور سے اجازت چاہی کہ میں اس گستاخ کا سر قلم کردوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا اسے چھوڑ دو یہ اکیلا نہیں ہے۔ اس کی نسل سے ایک بہت بڑا گروہ پیدا ہوگا جو ایسی نمازیں پڑھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی

نمازوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن ان کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار کو چھیدتا ہوا تیر نکل جاتا ہے۔
اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے کنز العمال میں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں اتنا اضافہ ہے کہ اس کی پیشانی پر سجدے کا نشان تھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر ارشاد فرمایا کہ اس گروہ کی علامت سر منڈانا ہے۔ اور یہ گروہ روپ بدل بدل کر نکلتا رہے گا یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ نکلے گا۔ وہ لوگ تمام مخلوقات سے بدتر ہیں۔
اب حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ ایمان افروز تبصرہ پڑھئے۔

> اس حدیث سے ظاہر ہے کہ وہ شخص نہایت عابد تھا کہ کثرت صلوٰۃ سے اس کی پیشانی میں گٹہ پڑ گیا تھا۔ ان احادیث میں تأمل کرنے کے بعد ہر شخص معلوم کر سکتا ہے کہ باوجود کثرت عبادت اور ریاضت شاقہ کے وہ شخص اور اس کے ہم خیال بدترین مخلوقات ٹھہرے۔ وجہ اس کی سوائے بے ادبی اور طبعی گستاخی کے اور کوئی نہیں نکلے گی۔ (انوار احمدی صفحہ ۲۸)

اسی مضمون کی تیسری حدیث حضرت امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ مشرق کی طرف سے نکلیں گے۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن قرآن اُن کے حلق کے نیچے نہیں اترے گا۔ جب ایک سینگ کاٹی جائے گی تو دوسری سینگ نکل آئے گی یعنی جب ایک فرقے کا نام ونشان مٹ جائے گا تو دوسرا فرقہ ظہور کرے گا۔ یہاں تک کہ اس کا آخری دستہ دجال کے ساتھ ہوگا۔
اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ بیان چشم بصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ خوارج بھی مشرق ہی کی طرف سے نکلے اور وہابی بھی مشرق ہی کی طرف سے ظاہر ہوئے۔ غالبًا یہ وہی فرقہ ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ (انوار احمدی صے ۳۰)

وہ حدیث یہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے ملک شام اور ملک یمن میں برکت دے۔ اس موقعہ پر ملک نجد کے لوگ بھی موجود تھے، انھوں نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہمارے نجد کے بارے میں بھی برکت کی دُعا فرمائیں۔ حضور نے پھر ملک شام اور ملک یمن کے بارے میں برکت کی دعا فرمائی جب جب دوسری بار پھر نجد کے لوگوں نے اصرار کیا تو حضور نے حقیقت کے چہرے سے نقاب الٹ دیا اور ارشاد فرمایا کہ : وہاں زلزلے اور فتنے برپا ہوں گے اور وہاں سے شیطان کی سینگ نکلے گی۔ اس حدیث کو امام بخاری نے اپنی کتاب بخاری شریف میں نقل کیا ہے۔

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف کا یہ حقیقت افروز تبصرہ پڑھئے۔

اس حدیث شریف سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ نجد سے فتنے برپا ہوں گے۔ اور اوپر کی حدیث میں گزرا کہ وہ لوگ مشرق سے نکلیں گے اگرچہ مشرق عام ہے کہ ہندوستان بھی مدینہ طیبہ کے مشرق ہی میں واقع ہے لیکن مدینہ شریف کے عوام اور خواص نجد ہی کو شرق اور وہابیوں کو شرقی کہا کرتے ہیں جن کی اقامت ملک نجد میں ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ان حدیثوں سے وہابیوں کا فتنہ مراد ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی چند علامتیں بیان فرمائی ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ مشرق سے نکلیں گے جیسا کہ ابھی معلوم

ہوا اور دوسری یہ کہ وہ بات نہایت ہی عمدہ کہیں گے۔ اور ایک علامت یہ ہے کہ ان کی جماعت میں داخل ہونے کے بعد کوئی وہاں سے واپس نہیں لوٹے گا۔ (انوار احمدی صفحہ ۳۱)

اس مضمون کی متعدد حدیثیں نقل کرنے کے بعد حضرت موصوف نے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ مسلمانوں کو چونکا دینے کے لئے کافی ہے۔ مسافروں کے راستے کے سنگین خطرات سے باخبر کرنے والا دشمن نہیں ہوتا، یہاں مسلمانوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ جان سے زیادہ قیمت ایمان کی ہے کیونکہ جان اگر ضائع ہوجائے تو مرنے کے بعد پھر مل جائے گی لیکن ایمان ضائع ہوگیا تو دوبارہ اس کا حصول ناممکن ہے۔ اسی بنیاد کو سامنے رکھ کر حضرت فاضل مصنف کا یہ تبصرہ پڑھئے۔

اس میں شک نہیں کہ کوئی باطنی خرابی اس فرقہ میں ضرور ہے جس کی وجہ سے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین سے نکل جانے کے بعد پھر وہ دین میں پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ مگر بظاہر ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حمایت توحید اور دفع شرک وبدعت کے غرور میں یہ لوگ محبوبان بارگاہِ الٰہی کی نہ صرف توہین کرتے ہیں بلکہ اصول دین کی طرح دوسروں کو اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں جس کی وجہ سے غیرتِ الٰہی انھیں اپنے غضب کا نشانہ بناتی ہے۔ (انوار احمدی صفحہ ۳۱)

اس فرقے کا بانی محمد ابن عبد الوہاب نجدی ہے۔ ذوالخویصرہ نام کا مشہور گستاخ جس کا ذکر کئی حدیثوں میں آیا ہے، وہ قبیلۂ بنی تمیم سے تھا۔ اور ابن عبد الوہاب بھی تمیمی ہے۔ فاضل مصنف فرماتے ہیں کہ کچھ تعجب نہیں کہ وہ اسی کی نسل سے ہو۔ اس فرقے کی ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ نہایت التزام کے ساتھ اپنے سر کے بال منڈوائیں گے۔ حضرت فاضل مصنف نے شیخ عبد الرحمن اہدل مفتی زبید کے حوالہ سے لکھا ہے کہ ابن عبد الوہاب نجدی کی حقیقت سمجھنے کے لئے وہ نشانی بہت کافی ہے جس

کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے کہ وہ پابندی کے ساتھ سر منڈوایا کریں گے۔ اس فرقہ کی جتنی علامتیں بیان کی گئی ہیں انھیں حالات وواقعات پر منطبق کرنے کے بعد حضرت فاضل مصنف ارشاد فرماتے ہیں:

علامات مذکورہ بالا سے ثابت ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم فرقۂ وہابیہ کے نکلنے کی خبر دے چکے ہیں اور جو علامتیں حضور نے بیان کی ہیں وہ سب ان میں پائی گئی ہیں۔ ان احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ حضرت علامہ زینی دحلان مکی کی مستند کتاب "الدُّرَرُ السَّنیہ" میں اور بھی بہت سی علامتیں اس گروہ کی مذکور ہیں۔ احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ فرقۂ وہابیہ خوارج کی ایک شاخ ہے۔ مگر اس وجہ سے کہ نئے طور پہ اس کا خروج ہوا اس لئے اس کا نام جداگانہ قرار پایا اور وہ فرقہ اپنے بانی کی طرف منسوب ہوا۔ اسی وجہ سے یہ لوگ اپنے آپ کو محمدی کہتے ہیں مگر محتاط علماء نے جب دیکھا کہ عوام الناس انھیں ضرور برا بھلا کہیں گے اور اس میں حضور کے نام مبارک کے لفظ کی توہین ہوگی اس لئے وہ وہابی کے نام سے موسوم کردیئے گئے۔

(انوار احمدی ص ۳۱۴)

بانیٔ فرقۂ وہابیہ کے مظالم

اب اس فرقۂ وہابیہ کے بانی اور اس کے ساتھیوں نے اہل حق پر جو مظالم ڈھائے ہیں اور منصب رسالت کی تنقیص کرکے اہل اسلام کی جو دل آزاریاں کی ہیں، ان کی تفصیلات فاضل مصنف کے قلم سے پڑھئے۔ کلیجہ تڑپے گا، آنکھوں سے لہو کی بوند ٹپکے گی، جذبۂ عقیدت مجروح ہوگا اور فرط غضب سے دل کا عالم زیروزبر ہونے لگے گا لیکن یہ پوری کہانی صبر وضبط کے ساتھ آپ کو پڑھنی ہے تاکہ رسول دشمنی کے کردار سے آپ پوری طرح واقف ہوجائیں۔ فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

"خوارج کی طرح اس فرقہ کو بھی عمل میں نہایت غلو تھا۔ یہاں تک کہ

تارک فرض کو یہ لوگ کافر اور حلال الدم سمجھتے تھے۔ عقیدۂ توحید میں وہ اس قدر متشدد تھے کہ یا رسول اللہ کہنے والے اور بزرگوں سے مدد مانگنے والے کو یہ لوگ کافر سمجھتے تھے۔

" ابن عبدالوہاب ہر جمعہ کے خطبہ میں کہا کرتا کہ جو شخص نبی کا وسیلہ پکڑے وہ کافر ہے۔ اور زیارت قبور کو وہ ناجائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک قافلہ مقام احساسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی زیارت کی غرض سے مدینہ طیبہ حاضر ہوا، واپسی کے وقت جب وہ قافلہ " درعیہ" پہنچا جہاں ابن عبدالوہاب کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ اس نے ان لوگوں کی یہ سزا مقرر کی کہ ان کی ڈاڑھیاں مُنڈوائی جائیں اور گدھوں پر اس رسوائی کے ساتھ انھیں سوار کرایا جائے کہ ان کا مُنہ دُم کی طرف ہو۔ تاکہ اس بات کی اچھی طرح تشہیر ہو جائے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جائے اس کی یہ سزا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

بدعت سے ان لوگوں کو اس قدر اجتناب تھا کہ دلائل الخیرات شریف کی سینکڑوں جلدیں جلادی گئیں۔ ایک نابینا شخص مسجد کے مینارے پر کھڑے ہو کر صلاۃ وسلام پڑھتا تھا اسے قتل کرا دیا گیا۔

ابن عبدالوہاب کہتا تھا کہ جمعہ کی رات اور دن میں جو شخص درود پڑھتا ہے وہ دوزخی ہے۔ جو حضور کے نام پاک کے ساتھ سیدنا کا لفظ لگاتا ہے وہ کافر ہے۔ کبھی کہتا کہ مجھے قدرت ملی تو میں گنبد خضرا کو ڈھا دوں گا۔ وہ کہتا تھا کہ میری لاٹھی حضور سے بہتر ہے کہ اس سے میرا کام نکلتا ہے۔" (انوار احمدی ص۳۱۶)

ایک انتہائی عبرتناک واقعہ

مُصَنَّف ابن ابی شیبہ، کے نام سے حدیث کی ایک نہایت مستند کتاب ہے اس میں حضرت ابوطفیل کی روایت سے ایک نہایت عبرت انگیز واقعہ نقل کیا گیا ہے۔ اے چشم بصیرت

سے پڑھئے اور اندازہ لگائیے کہ بدعقیدوں کی صحبت میں بیٹھنے کا اثر دین و ایمان کی برکتوں پر کیا پڑتا ہے۔؟

راوی کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جب حضور کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا تو حضور نے اُسے دُعا دی اور اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی پر اتنے خوبصورت بال اُگ آئے جو تمام بالوں سے ممتاز تھے۔

جب وہ لڑکا جوان ہوا اور اُن خوارج کا زمانہ آیا جن کی بدعقیدگی اور گستاخی بہت ساری حدیثوں میں مذکور ہے۔ آج کی تبلیغی جماعت کی طرح اس وقت کے خارجی بھی طرح طرح کی ترغیب دے کر نوجوانوں کو اپنی جماعت میں شامل کرتے تھے۔ بدقسمتی سے وہ نوجوان بھی ان کے بہکاوے میں آگیا اور ان کی جماعت میں شامل ہوگیا۔ یہاں تک کہ اس کے دل میں ان کی محبت گھر کر گئی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی پیشانی کے سارے بال جھڑ گئے۔

اس کے باپ نے جب بیٹے کا یہ حال دیکھا تو اسے گھر میں قید کر دیا،

حضرت ابو الطفیل فرماتے ہیں کہ ہم لوگ اس نوجوان کے پاس گئے اور اسے سمجھایا کہ ان کی صحبت کی نحوست کا اثر تم نے دیکھ لیا کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت تمہاری پیشانی سے جاتی رہی۔ فرماتے ہیں کہ جب تک اس نے اپنی رائے سے رجوع نہیں کیا ہم اُسے ہر طرح سمجھاتے رہے۔ یہاں تک کہ جب اس کے دل سے ان کی محبت نکل گئی اور ان کے عقائد سے اس نے توبہ کرلی تو دست مبارک کی وہی نشانی پھر اس کی پیشانی میں حق تعالیٰ نے پیدا کر دی۔

(انوار احمدی صفحہ ۳۰۴)

اس واقعہ پر فاضل مصنف کا تبصرہ

اس حدیث کے ذیل میں حضرت فاضل مصنف تحریر فرماتے ہیں:

اس حدیث سے کئی امور مستنبط اور ثابت ہوتے ہیں:
ایک یہ کہ جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگ گیا اس مقام کو ہمیشہ کے لئے ایک خصوصیت اور برکت حاصل ہوگئی۔
دوسرا یہ کہ ان برکتوں کے ظہور کے لئے وہی لوگ خاص کئے جاتے تھے جو برگزیدہ ہوں پھر جہاں ان میں کسی قسم کی خرابی آگئی وہ برکت جاتی رہی تاکہ طالبانِ حق کو اس سے عبرت حاصل ہو۔ نیز اس طرح کا فیض انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتا تھا جو اہلِ حق ہوں اہل باطل اس سعادت سے محروم رہتے تھے۔
تیسرا یہ کہ جس کو آنحضرت نے ازراہ شفقت دستِ مبارک لگا دیا عقائد باطلہ کا اثر اس کے دل میں راسخ نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ باطل عقائد اس کے دل میں راسخ نہیں ہوتے تھے اسی لئے اُسے توبہ نصیب ہوئی ورنہ احادیث کی صراحتوں کے مطابق باطل فرقے کا اثر جس کے دل پر جم جاتا ہے وہ کبھی راہ راست پر نہیں آسکتا۔ (انوار احمدی۔ ۳۰۵)

ہندوستان میں وہابی فرقے کی نشاندہی

پچھلے اوراق میں حضرت فاضل مصنف کے قلم سے وہابی فرقے کی تاریخ آپ پڑھ چکے۔ کئی صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کے مطالعے سے اتنی آگہی تو آپ کو ضرور ہوگئی ہوگی کہ عہد رسالت سے لے کر آج تک ایک باطل اور گستاخ فرقہ روپ اور نام بدل بدل کر ہر زمانے میں موجود رہا ہے جانبِ مشرق یعنی نجد سے جس فتنے کے ظہور کی حضور

نے خبر دی ہے یہ خبر غلط نہیں ہوسکتی کیونکہ یہ ایک مخبر صادق کی خبر ہے۔ اس لئے آپ کا ایمانی فریضہ ہے کہ اُس گروہ کو آپ تلاش کریں، علامتوں کے ذریعے اسے پہچانیں اور اس کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ رکھیں۔ ہندوستان میں وہابی مسلک کے علمبرداروں کی نشاندہی کے سلسلے میں بجائے اس کے کہ ہم کوئی بات اپنی طرف سے کہیں انہی حضرات کا اقراری بیان ہم اس کتاب کے قارئین کے سامنے رکھ دینا چاہتے ہیں۔

پہلا اقراری بیان دیوبندی جماعت کے مقتدر پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کا سوانح نگار لکھتا ہے کہ جن دنوں تھانوی صاحب کانپور کے مدرسہ جامع العلوم میں مدرس تھے، انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ محلے کی چند عورتیں فاتحہ کرانے کے لئے مٹھائی لے کر مدرسہ میں آئیں۔ تھانوی صاحب کے طلبہ نے فاتحہ دینے کے بجائے مٹھائی لے کر خود کھالی۔ اس پر بڑا ہنگامہ ہوا۔ تھانوی صاحب کو خبر ہوئی تو وہ آئے اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی! یہاں "وہابی" رہتے ہیں یہاں فاتحہ نیاز کے لئے کچھ مت لایا کرو۔" (اشرف السوانح ج ۱ ص ۴۵)

دوسرا اقراری بیان دیوبندی جماعت کے دوسرے مقتدر پیشوا مولانا رشید احمد گنگوہی اپنے فتویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

محمد ابن عبد الوہاب کے وہابیوں کو مقتدی کہتے ہیں۔ اُن کے عقائد عمدہ تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۱۱)

تیسرا اقراری بیان تبلیغی جماعت کے مرکزی قائدین میں مولانا زکریا شیخ الحدیث سہارنپور، مولانا ابوالحسن علی ندوی، اور مولانا منظور نعمانی کے نام سرِ ورق پر ہیں:

"سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی" نامی کتاب جو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔ اس میں مولانا منظور نعمانی، مولانا الیاس کے مرض الموت میں ان کی جانشینی کے مسئلے پر اپنی بےچینیوں کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

پس دیوار کا راز فاش کرنے والی یہ کہانی پوری توجہ کے ساتھ پڑھیے۔

"ایک رات کو اس ناچیز اور رفیق محترم مولانا علی میاں نے اس بارے میں دیر تک غور و فکر اور باہم مشورہ کیا۔ اور ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر حضرت کے بعد یہاں دعوتی کام کا مرکز نظام الدین میں کسی ایسی شخصیت کا قیام رہے جس کے ساتھ حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دعوت سے تعلق رکھنے والے پورے حلقہ کو عقیدت و محبت ہو تو پھر انشاء اللہ یہ کام اسی طرح چلتا رہے گا۔

اور ایسی شخصیت اس وقت ہماری نظر میں صرف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہٗ کی تھی۔"

(سوانح محمد یوسف کاندھلوی ص۱۹۰)

اس کے بعد اپنے بیان کے مطابق اگلے دن صبح کے وقت نعمانی صاحب نے مولانا زکریا سے ملاقات کی اور اُن کے سامنے اپنے ساتھیوں کی یہ تجویز رکھی کہ وہ تبلیغی جماعت کے امیر کی حیثیت سے مرکز میں اپنا قیام منظور فرمائیں۔ اس سلسلے میں نعمانی صاحب اپنی گفتگو کا ایک نہایت اہم حصّہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس پورے واقعہ میں ان کی گفتگو کا یہی حصّہ میری تحریر کا اصل مدعا ہے۔

اسی کے ساتھ ہم نے یہ بھی عرض کیا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو تھوڑے ہی دنوں بعد یہ سارا مجمع منتشر ہو جائے گا اور ہم خود اپنے بارے میں بھی صفائی سے عرض کرتے ہیں کہ "ہم بڑے سخت وہابی ہیں" ہمارے لئے اس بات میں کوئی خاص کشش نہ ہوگی کہ یہاں حضرت کی قبر مبارک ہے۔ یہ مسجد ہے جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے، یہ حجرہ ہے جس میں حضرت رہا کرتے تھے۔

(سوانح مولانا محمد یوسف کاندھلوی ص۱۹۲)

چوتھا اقراری بیان

اب ذیل میں مولانا زکریا کا جواب ملاحظہ فرمائیں انھوں نے کہا کہ :

> اگر اللہ تعالیٰ کا فیصلہ میرے بارے میں ہوا تو مجھ سے کسی کے کہنے کی ضرورت نہیں۔ پھر میں خود یہاں رہوں گا بلکہ اگر تم سب مل کر مجھے نکالنا چاہو گے جب بھی یہیں رہوں گا۔ اور اگر کسی اور کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوا تو تم بھی اس کو دیکھ لوگے اور میں بھی دیکھ لوں گا۔ پھر اللہ تعالیٰ اسی سے یہ کام لے گا۔ بس انتظار کرو ! اللہ سے دعا کرو۔ !
>
> اور اگر دیکھو کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہوئی تو مولوی صاحب " میں، خود تم سے بڑا وہابی ہوں " تمہیں مشورہ دوں گا کہ حضرت چچا جان کی قبر اور حضرت کے حجرہ اور در و دیوار کی وجہ سے یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔"
>
> (سوانح مولانا محمد یوسف صـ۱۹۳)

تھانوی صاحب سے لے کر مولانا منظور نعمانی، اور مولانا زکریا تک تبلیغی جماعت کے سارے قائدین کا یہ اقراری بیان آپ کے سامنے ہے کہ "ہم وہابی ہیں" "میں بڑا سخت وہابی ہوں" " میں تم سے بڑا وہابی ہوں"۔ کوئی دوسرا ان کے بارے میں یہ کہتا تو الزام سمجھا جاتا لیکن خود اپنے اقرار کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعتہ یہ حضرات " وہابی" ہیں۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ یہ اقرار انھوں نے اپنی نجی گفتگو اور تنہائی کی ملاقات میں کیا ہے اس لئے اُسے کسی اور معنیٰ پر محمول کرنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ——— واضح رہے کہ مولانا رشید احمد گنگوہی کی صراحت کے مطابق ابن عبدالوہاب نجدی کی پیروی کرنے والوں کو "وہابی" کہتے ہیں۔

اتنی مضبوط اور ٹھوس شہادتوں کے بعد اب آپ کو انگلی اٹھا کر دکھانے کی

ضرورت نہیں کہ وہابی کون ہے۔ اور کون طبقہ وہابی مذہب کے خلاف سینہ سپر ہے۔ اپنے نبی کے ساتھ آپ کے دل کا رشتہ اگر صحیح ہے تو آپ کے لئے یہ فیصلہ کرنا کچھ مشکل نہیں ہے کہ آپ کس کے ساتھ ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ
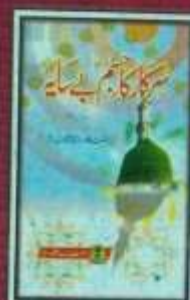
MAKTABA JAAM-E-NOOR
422, Matia Mahal, Jama Masjid, Delhi-6
Ph - 011 - 3281418, 3243019